سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مُدیر: خرّم مُراد

ادارۂ ترجمان القرآن



اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے حسین دامن میں
ایک نیا دلپذیر شہر

منظر کوہسار

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں، سیوریج بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان، مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل۔ ترقیاتی کام جاری ہیں۔

قیمت 30 ہزار روپے فی مرلہ مگر عید الفطر سے پہلے بکنگ کرانے پر 3 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال کی قسطوں میں کنال 600 مربع گز

پمفلٹ مفت منگوائیں۔

فیروزپور روڈ پر چونگی امرسدھو سے 2 کلومیٹر
ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر۔

ترقیاتی کام جاری ہیں، کنال 500 مربع گز

قیمت 30 ہزار روپے فی مرلہ مگر عید الفطر سے پہلے بکنگ کرانے پر 3 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال کی قسطوں میں

پمفلٹ مفت منگوائیں۔

ہم ذوق ہم خیال احباب کی خوبصورت نظریاتی بستی

دیگر تمام سوسائٹیوں سے انتہائی کم قیمت پر نظریاتی ساتھیوں کیلئے سنہری موقع

تحریک اسلامی سے وابستہ
افراد کا با اعتماد ادارہ

مری میں ایک نئے منصوبے کا
اعلان

ہل ویو اپارٹمنٹ

مال روڈ مری سے پیدل پانچ منٹ کی مسافت پر پچاس فٹ چوڑی جھیکا گلی روڈ (لوئر مال کے اختتام پر) مری امپرومنٹ ٹرسٹ کی سکیم میں اعلیٰ کوالٹی کی تعمیر تمام جدید سہولتوں کے ساتھ ہر اپارٹمنٹ سے وادی کے حسین مناظر، مکمل منصوبہ 20 فلیٹ پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر بکنگ ہوگی۔
قیمت تعمیر شدہ رقبہ 650 مربع فٹ 6 لاکھ روپے، بکنگ پر 2 لاکھ روپے باقی رقم 18 ماہانہ قسطوں میں۔
پمفلٹ مفت منگوائیے۔

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

بٹ ہاؤس 1 اے فیض روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور فون 5869549-5865371 فیکس 5837016

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

عدد ۱۲	دسمبر ۱۹۹۶ء شعبان ۱۴۱۷	جلد ۱۲۲

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون: ۷۸۴۴۶۰۵

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ -/۱۵ روپے

زر سالانہ -/۱۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ -/۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش، مسقط -/۴۵۰ روپے

بھارت -/۳۰۰ روپے

یورپ، مشرق بعید -/۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

جزیرہ قبرس کو فرنگیوں کی اصطلاح میں سائپرس کہتے ہیں۔ یونان کے دیوتاؤں اور دیویوں کو یہ جزیرہ بہت محبوب تھا' جن کے حسن و عشق کی بہتیری کہانیاں اب تک زبان زد ہیں۔ بتوں کی شان خدائی یہاں ہر رنگ میں خود نمائی کر رہی تھی۔ رومی اگرچہ نصرانی ہو گئے تھے مگر بت پرستی کی صرف شکل بدل گئی تھی' ہجرت نبوی کے ستائیسویں سال تک یہی بت فرمانروا تھے۔ اٹھائیسویں سال خدا کی خدائی نے بتوں سے بادشاہی چھینی۔ سیدنا عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت میں معاویہؓ نے کفرو شرک سے اس زمین کو پاک کر کے اللہ کی سلطنت بلند آوازہ فرمائی۔

سردیوں کا زور ٹوٹتا تھا کہ فرزندان توحید کے دل گرما گئے' زمانہ کے سرد و گرم نے جن کو پختہ کار بنا رکھا تھا' وہی اس مہم میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابی پیش پیش تھے! عبادہ بن صامتؓ کی بیوی بھی کہ صحابیہ تھیں اس غزوہ میں ساتھ تھیں اور یہیں شہید ہوئیں۔ تیسری صدی ہجری کے بعد تک "مزار نیک زن" کے نام سے ان کا مشہد معروف تھا۔

خدا کا لشکر شیطان کی جمعیت پر غالب آیا' بت پرستوں کو خدا پرستوں کے سامنے جھکنا پڑا' (معاہدہ صلح پر

ہوا) ہنوز اس معاہدہ کی سرسبزی کو چار پانچ بہاریں دیکھنی نصیب نہ ہوئی تھیں کہ اہل قبرس نے اسلام کے خلاف نصرانیت کو مدد دی اور ان کے جنگی جہازوں کے ساتھ نصرانیوں نے دیار اسلام پر لشکر کشی کی۔ اب کے معاویہؓ کو استیصال کفر کا پورا سامان کرنا تھا۔ ۳۳ھ میں ایک بحری مہم مرتب ہوئی' جہاز رانی اور دریا نوردی کے مسلمان خوگر نہ تھے' لیکن اس غزوہ میں پانسو جنگی جہازوں کا ایک ہولناک بیڑا تیار ہو گیا۔ جس نے تیر اور تلوار کی زبان سے قبرص کو خدا کا پیغام سنایا' اہل قبرص ماننے والے تو نہ تھے مگر آسمان کی بات زمین کو ماننی ہی پڑتی ہے' سرزمین قبرس کو بری طرح شکست کھانی پڑی' پورا جزیرہ زیر شمشیر آگیا۔ بعلبک کے بارہ ہزار مسلمان وہاں منتقل کر دیے گئے کہ ہر جگہ مسجدیں بنائیں اور اعلانیہ اللہ کی عبادت کریں۔ یزید کی حکومت ہوئی تو اہل قبرس نے اپنی عاجزانہ فرمانبرداری کا ایسا کچھ یقین دلایا کہ اظہار و وفاداری کی اس رشوت سے متاثر ہو کے اس نے تمام مسلمانوں کو واپس کر لیا' میدان کا خالی ہونا تھا کہ پورا جزیرہ' اسلام اور ایمان سے خالی ہو گیا' مسجدیں ڈھا دی گئیں' بشر مسمار ہو گیا اور توحید کا شعار تک باقی نہ رہا۔ مگر مسلمانوں نے صرف اس لیے یہ سب کچھ گوارا کیا کہ اہل جزیرہ ہمارے ذمی ہیں۔ جزیہ دیتے ہیں ہم ان کی آزادی میں خلل انداز کیوں ہوں؟

ان مسلسل ہنگاموں سے تنگ آ کر سلطنت نے علما سے فتویٰ طلب کیا کہ اہل قبرس جزیہ دیتے ہیں' اہل ذمہ ہیں' مگر فتنہ انگیز۔ شریعت ان کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے؟

(رعایت مصالح شرعیہ از مولوی محمد عثمان حمادی' جلد ۹' عدد ۲' شوال ۵۵ھ' دسمبر ۱۹۳۶)

03

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ایک ہی راستہ: جدوجہد

قاضی حسین احمد

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "کما تکونون یومر علیکم" (رواہ البیہقی) جس طرح کے تم لوگ ہو گے اسی طرح کے تم پر امرا (حکام) مقرر کیے جائیں گے۔ حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں اس مفہوم کی ایک اور حدیث نقل کی گئی ہے کہ "اعمالکم عمالکم" تمہارے اعمال (کے مطابق) ہی تمہارے حکمران ہوں گے۔ دوسری حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے کچھ کمزور ہے لیکن مفہوم و مضمون کے اعتبار سے دونوں احادیث یکساں صحیح اور سنت الٰہی کے عین مطابق ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے قیام کی ذمہ داری لوگوں پر چھوڑی ہے۔ جس طرح کے لوگ ہوں گے وہ اسی طرح کی اپنی حکومت قائم کر لیں گے۔

اس حدیث سے چند حقائق واضح ہو کر سامنے آتے ہیں:

(۱) حکومتیں معاشرے کا عکس ہوتی ہیں۔ معاشرہ اچھا ہو گا تو اپنی حکومت بھی اچھی بنائے گا۔ صحابہ کرامؓ پر مشتمل معاشرہ اپنے لیے خلفائے راشدین کا انتخاب کرے گا۔ معاشرہ بدتر ہو گا تو پھر زبان خلق بھی کہے گی کہ "شامت اعمال ما صورت نادر گرفت"۔

(۲) معاشرہ بھی حکومتوں کا عکس ہوتا ہے۔ اچھی حکومت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس معاشرے میں ایسے لوگ اور گروہ بستے ہیں جو اچھی حکومتیں قائم کر رہے ہیں' حکومت پر نظر رکھتے ہیں اور اگر اس میں خرابیاں دکھائی دیں تو فوراً اس کو بدلنے کی جدوجہد اور سعی کرتے ہیں اور اچھی حکومت قائم کر دیتے ہیں تاکہ بری حکومت کے باعث معاشرہ بھی برا نہ ہو جائے کہ "جیسا راجا ویسی پرجا"۔

(۳) اچھی حکومت کے قیام اور بری حکومت کے زوال اور خاتمے کی جدوجہد عین عبادت اور لازمی فریضہ ہے۔ حکومت سازی کا کام مکروہ سیاست نہیں بلکہ دین کا عین تقاضا ہے۔ کیونکہ دین صرف زبانی تبلیغ و تلقین یا صرف ذاتی اوراد و وظائف کا نام نہیں بلکہ اقامت شرع مبین کی ایک ہمہ گیر و ہمہ جہت تحریک

ہے۔ رسول اکرمؐ نے اسی ہمہ جہت تحریک کے ذریعے جزیرہ العرب میں اسلامی مملکت قائم کی۔ آپ نے اللہ کی رضا اور فلاح اخروی کو اپنا مقصد و ہدف جانا اور پھر اسی کی طرف لوگوں کو بلایا۔ جن لوگوں نے دعوت قبول کر لی ان کا تزکیہ کیا، تربیت کی، انھیں منظم کیا، کتاب و حکمت کی تعلیم دی، سمع و اطاعت اور مشاورت کا نظام قائم کیا، صحابہ کرامؓ کے اس برگزیدہ اور منتخب گروہ کے ذریعے اصلاح معاشرہ کا کام کیا اور پھر اصلاح حکومت کے ذریعے دین اسلام کا مکمل نظام نافذ و غالب کر دیا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" (الجمعہ ۶۲:۲) وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انھی میں سے اٹھایا، جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور فرمایا "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ" (الصف ۶۱:۹) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

رسول کریمؐ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ کتاب و سنت بھی چھوڑ گئے اور اس کے نفاذ کے لیے اسلامی حکومت بھی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ بھی اسی لیے خلیفہ رسول اللہؐ کہلائے کہ ان کے پاس اقتدار کی امانت بھی تھی ورنہ قرآن و سنت تو بہت سارے صحابہؓ کے پاس تھے۔ ان میں سے خلفائے راشدین صرف وہی چار ہستیاں کہلائیں جنھوں نے آں حضورؐ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کا نظم و نسق سنبھالا۔ وہ تلوار اور قرآن دونوں کے حامل تھے۔

این دو قوت حافظ یک دیگر اند   کائنات زندگی را محور اند
مومناں را تیغ با قرآں بس است   تربت ما را ہمیں ساماں بس است

(یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کی محافظ ہیں۔ زندگی کی کائنات کا محور ہیں۔ مومنین کے لیے قرآن کے ساتھ تلوار (اقتدار) کافی ہے۔ ہماری قبر کے لیے یہی سامان کافی ہے)۔

یہ اسلامی خلافت صدیوں تک عالمی قیادت و سیادت کے منصب پر فائز رہی، اس دوران عروج و ضعف کے مختلف ادوار آئے لیکن مجموعی عالمی قیادت مسلم امت کے ہاتھ میں ہی رہی۔ پھر معاشرے کے عمومی انحطاط، علم سے بے رغبتی اور علما کے جمود کے باعث سیکڑوں سال تک انسانیت کی رہنمائی کرنے والی امت خود استعمار کے شکنجے میں پھنس گئی۔ مغربی استعمار نے عالمی قیادت سنبھالی اور اس کے کارندوں نے مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچے اور ان کے عقائد کا قریب سے گہرا مطالعہ کرتے ہوئے ان کو مستقل زیر رکھنے کا مکمل

منصوبہ بنالیا۔ اس منصوبے کے خدوخال مختلف مغربی دانش وروں کی کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور ہنٹر (Hunter) کی کتاب Our Indian Musalmans کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ انگریزوں نے یہاں آنے کے کچھ ہی عرصے بعد یہ جان لیا تھا کہ دین اسلام کی سمجھ رکھنے والے اور قرآن کریم کا موثر ہتھیار رکھنے والے مسلمان کبھی بھی اللہ کے سوا کسی کی غلامی قبول نہیں کریں گے۔ ہنٹر نے اعتراف کیا ہے کہ جن مسلمانوں نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا وہ ضمیر کی خلش میں مبتلا رہے اور ہر لمحے غلامی کے اس عارضی شکنجے کو توڑنے کی کوشش میں لگے رہے۔

اس صورت حال کو جان کر انھوں نے ایک ایسا نظام تعلیم و قانون وضع کیا جس کے ذریعے وہ خود مسلمانوں میں ایسے لیڈر پیدا کر دیں جو نام و نسب کے اعتبار سے تو مسلمان ہوں لیکن تہذیب و سوچ کے لحاظ سے یورپی اقوام کے غلام ہوں۔ انگریزوں' فرانسیسیوں' اطالویوں' ولندیزیوں سب نے اپنے اپنے طریقے سے یہ کام کیا' لیکن نسخہ ہر جگہ ایک ہی تھا: غیر ملکی استعمار کی تربیت یافتہ نسل پیدا کرنا۔ جب یہ نسل سن رشد کو پہنچی تو استعمار کے خلاف چنگاریاں شعلوں میں بدل رہی تھیں۔ اس موقع پر استعمار آہستہ آہستہ رخصت ہوا اور اپنی تربیت کردہ نسل کو مسلمانوں کی سیاسی و انتظامی قیادت پر فائز کرتے ہوئے انھیں اپنا جانشین بناگیا تا کہ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے مفادات پورے ہوتے ہیں۔ دور حاضر میں مسلم دنیا کے تقریباً تمام ممالک اسی مغربی تربیت یافتہ نسل کے تسلط میں ہیں۔ یہ حکمران مغربی استعمار کے تمام مقاصد بخیر و خوبی انجام دے رہے ہیں اس لیے وہ ان کی نگہداری بھی کرتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی کہیں کوئی خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ فوراً مدد کے لیے لپکتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے واضح مثال الجزائر کی ہے کہ جب خود مغرب کے متعارف کردہ جمہوری طریقے پر چلتے ہوئے وہاں کے عوام نے فرانسیسی استعمار کے مہروں کو مسترد کر دیا تو یورپین اقوام نے براہ راست مداخلت کرتے ہوئے وہاں ایک بدترین ڈکٹیٹر شپ مسلط کر دی۔

پاکستان میں بھی طویل عرصے سے ایک ایسا کرپٹ اور فاسد گروہ قیادت پر فائز ہے جو پاکستان اور پاکستانی قوم کے مفادات سے زیادہ استعماری مفادات کا رکھوالا ہے۔ اس گروہ کی اکثریت روایتی جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اپنے چاروں طرف پھیلی غربت' افلاس' بیماری اور جہالت کو دیکھ کر شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ اس ماحول میں خود کو بالاتر سمجھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ لوگوں کو بے خبر رکھنا' ان میں غلامانہ ذہنیت پیدا کرنا' انھیں احساس کمتری میں مبتلا رکھنا اور انھیں اپنی گرفت میں جکڑے رکھنا اس گروہ کی نفسیات کا حصہ ہے۔ وہ کسی ایسے مہذب و شائستہ معاشرے کا تصور نہیں رکھتے جس میں پورا معاشرہ ترقی کرے اور وہ خود اس مہذب و ترقی یافتہ معاشرے میں ایک ممتاز شہری کی حیثیت سے زندگی گزاریں اور اپنے بلند کردار اور خدمت کے ذریعے اپنے لیے عزت کا مقام بنائیں۔

اس گروہ کے لوگ جب اپنے سرمائے، جبر اور دھوکہ دہی سے ملک کے اعلیٰ ایوانوں اور پارلیمنٹ میں پہنچ جاتے ہیں تو وہاں بھی ان کا طور طریقہ یہی رہتا ہے۔ پھر وہ پوری قوم کے ساتھ وہی کچھ کرتے ہیں جو جاگیردار اپنے علاقے میں اپنے مزارعین اور کمیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس صورت حال میں اصلاح کا راستہ صرف یہی ہے کہ اس مقتدر طبقے کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور ساتھ ہی ساتھ غریب عوام پر مشتمل اکثریت میں بیداری اور عزت نفس پیدا کی جائے۔ انھیں ظالم کے خلاف پرعزم اور مسلسل جدوجہد پر ابھارا جائے۔ یہی آں حضور نبی کریمؐ کا طریقہ ہے۔ پسے ہوئے مظلوم انسانوں کو صرف ایک اللہ کے سامنے سر جھکانے کی تعلیم دینا، انھیں غیراللہ کی غلامی سے آزاد اور بے خوف کرنا اور اسلامی اخلاق عالیہ سے منور ہو کر آزادی و ترقی کے لیے مسلسل جدوجہد پر آمادہ کرنا، ساتھ ہی ساتھ مقتدر طبقے میں بھی خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور انھیں یہ باور کرانا کہ صحیح اسلامی معاشرے میں ان کے لیے عزت کا مقام ہو گا کہ خیارکم فی الجاھلیہ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا "تم سے جو لوگ جاہلیت میں سب سے بڑے ہیں وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی سب سے بہتر ہوں گے، اگر وہ دین کا شعور حاصل کرلیں"۔

اس تصور دین کو حرز جاں بنا کر رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کو اپنا مقصد و ہدف بنا کر مختلف ادوار میں صاحب عزیمت علما، مجاہدین اور مصلحین نے دنیا کے مختلف خطوں میں شاندار تحریکیں برپا کیں۔ اسی تصور کے مطابق سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور حسن البناء شہیدؒ نے دور حاضر کی دو عظیم جماعتیں منظم کیں جو پوری دنیا میں اسلامی تحریک کی بنیاد بنیں۔ اسلامی تحریک کی اس لہر کو مغرب نے فنڈامنٹلزم کا نام دیا ہے۔ یہ اصطلاح انھی لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو پورے انسانی کنبے کی فلاح کے لیے اسلام کا نظام عدل ناگزیر سمجھتی ہے اور اس نظام کے قیام کی ہر ممکنہ جدوجہد کو اللہ کی رضا کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

اس تحریک کے راستے میں لاتعداد رکاوٹیں درپیش آئیں اور اب بھی آ رہی ہیں۔ دین سے بے خبری، دین کا غلط تصور، عام ناخواندگی، تعلیم کا فقدان، معاشرے میں ہندو تہذیب کے اثرات، رسہ گیروں اور بداخلاق زمینداروں کی جکڑ بندیاں، تفرقہ بندیاں اور فرقے بازیاں، مادی عیش و عشرت کو زندگی کا مقصد سمجھنا اور پھر اپنی تمام صلاحیتوں، وسائل اور اوقات کو اسی عیش و عشرت کے حصول کے لیے وقف کر دینا، یہ وہ بڑی بڑی رکاوٹیں ہیں جو خود معاشرے کے اندر سے جنم لے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ عالمی سازشیں، اسلام دشمن قوتوں کی مہلک چالیں، عالمی اداروں کی خبیث جونکیں جو اسلامی دنیا کو بری طرح چوس رہی ہیں، استعماری قوتوں کے ہاتھ میں، اپنے تربیت یافتہ حکمرانوں کے بعد دوسرا بڑا ہتھیار ہیں۔ اس دور کا موثر ترین ہتھیار، ابلاغ عامہ --- ریڈیو، ٹیلی ویژن، ویڈیو اور اخبار و رسائل --- بھی عالمی استعمار اور ان کے ایجنٹوں کے ہاتھ میں ہے۔

ان رکاوٹوں کے خاتمے کے لیے راستہ صرف یہی ہے: مقتدر طبقے کی اصلاح کی کوشش اور عوام میں دین کا حقیقی شعور پیدا کرنا۔ اس کے لیے محراب و منبر اور مسجد ہمارے ہاتھ میں موثر ترین ہتھیار ہے۔ ضروری ہے کہ عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف وسائل اپنائے جائیں' زبانی تعلیم' لٹریچر کی تقسیم' موثر اشتہارات کی اشاعت' آڈیو اور ویڈیو ٹیکنالوجی سے استفادہ کیا جائے' خطبہ ہائے جمعہ' دروس قرآن' بڑے بڑے جلسہ ہائے عام اور دوسرے ذرائع سے لوگوں میں بیداری پیدا کی جائے' انھیں ظلم اور ظالموں کے خلاف کھڑا کیا جائے' ان کی عزت نفس بحال کی جائے اور انھیں مسلسل تحرک میں رکھا جائے۔

یہ طریقہ ہجومی سیاست نہیں' بلکہ آں حضورؐ کی سنت ہے۔ آپؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر جزیرہ العرب کی تقریباً پوری آبادی میں جو افراد بھی قابل سفر تھے' ان کو عرفات میں جمع کر لیا اور انھیں دین کی تعلیمات سے آگاہ کرتے ہوئے ظلم کی قوتوں کے خلاف مجتمع کر دیا۔

پاکستان میں بھی اسی تحرک اور تحریک کے ذریعے ظلم کے شکنجے کو توڑا جا سکتا ہے اور استعمار کے مسلط کردہ ٹولے اور نظام سے خلاصی حاصل کی جا سکتی ہے۔

خوش قسمتی سے پاکستان کا دستور ایسا ہے جو اصلاح کا آئینی راستہ کھولتا ہے۔ دستور کی دفعہ ۶۲ موجود ہے جو ہر امیدوار اور حکمران کے لیے یہ شرائط عائد کرتی ہے کہ وہ امین ہو' فرائض ادا کرنے اور کبائر سے اجتناب کرنے والا ہو' اچھی شہرت کا مالک ہو اور اس نے ملکی خزانہ نہ لوٹا ہو۔

اس آئینی راستے پر کوئی چلتا کیوں نہیں اور دستور کی پابندی کیوں نہیں ہوتی؟ صرف اس لیے کہ کوئی اس کا والی وارث نہیں ہے۔ صدر مملکت اپنے اختیارات کم ہونے پر تو واویلا مچاتے ہیں' وزیراعظم اور عدلیہ اپنے اپنے اختیارات پر تو اصرار کرتے ہیں' وفاق اور صوبے اپنے اختیارات کے حصول پر تو مصر ہوتے ہیں لیکن دستور کی جو اسلامی دفعات ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے' بلکہ اس کی مخالفت کی جاتی ہے کیونکہ اس کی زد خود لٹیروں اور ظالموں پر پڑتی ہے۔ جب تک ایک عوامی تحریک اور عوامی دباؤ کے ذریعے ان دفعات کی پشتیبانی نہیں کی جاتی' ان کا نفاذ یقینی نہیں بنایا جاتا' تب تک مثبت نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

---

۲۴ جون ۹۶ سے شروع ہونے والی تحریک نے' جو بے نظیر حکومت کے گرنے تک جاری رہی' ثابت کر دیا ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان کی سب سے بڑی منظم قوت ہے۔ اس کے پاس مخلص اور قربانی کے جذبے سے سرشار کارکنوں کی بڑی تعداد ہے۔ وہ ملک کے ہر حصے اور ہر طبقے میں موجود ہے۔ وہ ظلم کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتی ہے' وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ منظم جدوجہد کے لیے میدان میں نکل آئے تو ظالم سے ظالم حکومت بھی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ جماعت وہ تحریک ہے جس کے لیے عوام دیدہ و دل فرش راہ کر دیتے ہیں۔ ۲۴ جون اور ۷' ۲۷' ۲۸ اکتوبر کو راولپنڈی اور اسلام آباد کے شہریوں نے پولیس کے ہر

طرح کے مظالم اور آنسو اور سانس گھونٹ دینے والی گیس کی شدت برداشت کرتے ہوئے ہمارے کارکنوں کا ساتھ دیا۔ کراچی میں ہماری پکار پر لاکھوں مرد و خواتین، بوڑھے، جوان اور بچے سڑکوں پر نکل آئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں جس طرح خواتین و حضرات نے ہمارے اجتماعات میں بھرپور شرکت کی وہ سب کچھ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رائے عامہ کسی نشان راہ بتانے والے کے لیے ترس رہی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پاکستان کے باشعور اور مخلص عوام کی اکثریت ایک مخلص، مجاہد اور پاک دامن قیادت چاہتی ہے جو دستور کی ان تمام دفعات کے ذریعے ان کی قسمت بدل دے۔

ہماری اس بات کے جواب میں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آپ اگر اتنی بڑی عوامی قوت ہیں تو پھر یہ قوت انتخابی نتائج میں ظاہر کیوں نہیں ہوتی؟ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ آپ ایک سوال ان لوگوں سے بھی پوچھیں جو پارلیمنٹ میں بڑے بڑے گروپ ہونے کے دعویدار ہیں، جو اس غرور میں مبتلا ہیں کہ عوام نے انھیں مینڈیٹ دیا ہے اور وہ عوام کے محبوب رہنما ہیں۔ ان سے پوچھیں کہ جب کوئی طاقت انھیں کان سے پکڑ کر حکومت اور اسمبلی سے باہر چلتا کرتی ہے تو عوام میں خوشی کی لہر کیوں دوڑ جاتی ہے؟ وہ مٹھائیاں کیوں بانٹتے ہیں کہ انھیں ایک مصیبت اور بوجھ سے چھٹکارا مل گیا؟

اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا موجودہ انتخابی نظام ایک ڈھونگ اور فراڈ ہے۔ ہماری پارلیمنٹ میں بیٹھے گروہ کی اکثریت عوام کے محبوب نمایندوں کی نہیں بلکہ غنڈہ گردی اور بدمعاشی کے سرپرستوں اور ظلم کے نظام کے ستونوں کی ہوتی ہے۔ ان سے عوام نفرت بھی کرتے ہیں لیکن ان سے فرار کا راستہ بھی نہیں پاتے۔ پھر انتخابات میں دوسرے سارے ہتھکنڈے آڑے آتے ہیں جن میں بوگس ووٹنگ، جعلی شناختی کارڈ، شناختی کارڈ چرانا، ووٹ خریدنا، سمگلنگ و منشیات کا سرمایہ، انتظامیہ کی ملی بھگت و جانب داری، جاگیرداری و نوابی نظام...... ہمارے ہاں منصفانہ انتخابات ہوتے ہی کب ہیں کہ عوام کے حقیقی نمایندے ایوان میں پہنچیں۔ جب تک اس پورے نظام کی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک انتخابی عمل میں شریک ہونا اپنا سر شکنجے میں دینے کے مترادف ہے۔

ملک بھر میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے اپنے اپنے راجواڑے بنا رکھے ہیں۔ ان راجواڑوں کو توڑنے کا ایک طریقہ متناسب نمایندگی ہے۔ اس طریقہ انتخاب کو نافذ کرنے اور ان دستوری دفعات کے نفاذ کے لیے کہ جن سے امیدواروں کا ایک معیار قائم ہو، ایک بھرپور عوامی تحریک کی ضرورت ہے۔

یہ پرعزم اور پرامن جدوجہد حکمرانوں کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ سابق حکمرانوں میں سب کرپٹ عناصر کا بھرپور احتساب کریں۔ جو عناصر بھی لوٹ مار میں مصروف رہے ہیں اور ان کی لوٹ مار خود حکمرانوں اور عوام کے سامنے عیاں ہے، ان کو سخت سزائیں دیں اور انھیں آیندہ کسی بھی انتخابات کے لیے نااہل قرار دیں۔ یہ جدوجہد حکمرانوں سے منوا سکتی ہے کہ آیندہ انتخابات میں تمام امیدواروں کا، امین، باکردار، فرائض کا ادا

کرنے والا، کبائر سے اجتناب کرنے والا اور اچھی شہرت کا حامل ہونا ضروری قرار دے اور اس دستوری تقاضے کو پورا نہ کرسکنے والے کسی شخص کو انتخاب میں حصہ نہ لینے دے، خواہ وہ کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو اور کسی بھی پارٹی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ ہماری تحریک حکمرانوں کو قائل کرسکتی ہے کہ ملک میں قائم انتخابی راجواڑوں کو توڑنے کے لیے متناسب نمایندگی کا بہترین حل اور ہتھیار استعمال کریں۔

اپنی پرعزم تحریک میں پرامن رہنا ہمارے تحفظ کا ضامن ہے۔ ہماری تحریک کا یہ وصف رہا ہے کہ وہ مثالی، منظم اور پرامن تھی۔ لاکھوں افراد کے اجتماع اور پولیس کی اشتعال انگیزی کے باوجود بھی نہ کوئی شیشہ ٹوٹا نہ کوئی پرائیویٹ یا سرکاری املاک تباہ ہوئیں، نہ ہمارے کارکنوں کے ہاتھوں کسی کو خراش پہنچی، لیکن ہم ظلم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ اسلحے کے مقابلے میں اسلحہ اٹھانا اتنی بہادری نہیں جتنی بہادری یہ ہے کہ قوت کے مقابلے میں رائے عامہ ہموار کر کے، اللہ کے بھروسے پر، شہادت کے جذبے سے سرشار ہو کر اور جہاد کا عزم لے کر میدان میں نکلا جائے۔

ہمارے کارکنوں کو اللہ نے توفیق دی کہ وہ عوام کو ساتھ لے کر پرامن اور پرعزم تحریک چلائیں اور اللہ نے ان کو اس کا ثمر بھی دے دیا، بے نظیر ظالم حکومت سے چھٹکارا ملا۔ لیکن یہ تحریک کی اصل منزل نہیں، تحریک کا ایک مرحلہ ہے۔ عبوری حکومت اور اس کے مشکوک چہروں سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ احتساب کریں گے، انتخابی اصلاحات کریں گے اور بدعنوان عناصر کا راستہ روک دیں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں اپنی تحریک کو آگے بڑھانا ہے۔ انتخابات اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جب وہ آئین کے مطابق ہوں۔

انتخابات میں شرکت بذات خود توسیع دعوت کا ذریعہ بنتی ہے اس لیے ہمیں اپنی پوری انتخابی تیاری کرنا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بھرپور کوشش کرنا ہے کہ یہ انتخابات آئین کے مطابق ہوں۔ انتخابات آئین کے مطابق نہ ہوں تو اس میں شرکت دعوت کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے اتحاد کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اتحاد کرنا جو اپنے مقاصد اور کردار کے لحاظ سے کم از کم معیار مطلوب پر بھی پورے نہ اترتے ہوں، عوام میں کنفیوژن کا باعث بنتا ہے اور ہمارا صاف ستھرا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ اس شرکت سے بھی دعوت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ انتخابات میں مفاہمت و اتحاد کے لیے وہی گروہ مفید ثابت ہو سکتا ہے جو مقصد و کردار کے لحاظ سے ہمارے ساتھ ہم آہنگ ہو، جس کے پیش نظر صرف اور صرف دنیا نہ ہو، بلکہ اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور فلاح اخروی ہو۔

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے دو روز کی بحث و تمحیص کے بعد جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی ہے، اس کا متن آپ اس شمارے میں دیکھ لیں گے۔ یہ قرارداد جماعت کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمارے

سات مطالبات کو منظور کر کے ہی انتخابی نظام میں اصلاح کی جا سکتی ہے۔

ہمیں اپنے ان مطالبات کی منظوری رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملا کر کروانا ہے' اس لیے جماعت کے کارکنان کا فرض ہے کہ وہ پولنگ اسٹیشن کی سطح تک ہر ہر ووٹر تک جماعت کا یہ پیغام پہنچا دیں کہ ملک کو درپیش سنگین خطرات کا مقابلہ صرف اسی صورت سے کیا جا سکتا ہے کہ ملک کی باگ ڈور ایک مراعات یافتہ طبقے سے چھین کر خدا خوف لوگوں کے سپرد کی جائے۔ اس کے لیے انھیں جماعت اسلامی کی قیادت میں ایک ہمہ گیر تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے تاکہ ملک میں موجود رشوت اور کرپشن کی بجائے نظام عدل و انصاف قائم کیا جائے۔ کارکنان اپنے اندر وسعت پیدا کریں' اپنی جماعت یا اپنے امیر کی طرف بلانے کے بجائے مشترکات کی طرف دعوت دیں اور خود کو رسول اکرمؐ کا امتی سمجھ کر پوری امت کو امتی کی حیثیت سے مجتمع کریں۔ خود کو اللہ کا بندہ سمجھ کر پوری قوم کے لیے' اللہ کے سب بندوں کے لیے محبت کا پیغام بن جائیں۔ محبت ہی کارکنان کا ہتھیار ہے۔ مخلوق خدا کے لیے اخوت و محبت کی علامت بن جایئے' اسے سمجھایئے کہ اس وقت اصل جدوجہد ظالم و مظلوم کے درمیان ہے۔ فرقہ بندیاں' پارٹیاں' زبان و نسل پرستی' برادری ازم' علاقائی عصبیت سب مخصوص مراعات یافتہ طبقے اور ان کے استعماری سرپرستوں کے ہتھکنڈے ہیں۔ اس مخصوص مراعات یافتہ طبقے کے چنگل سے خود کو نکال کر ملک کے وسائل پہ قابض محدود طبقے کے خلاف یکجا ہو جایئے' ظالمانہ شکنجوں سے ملک کو نجات دلایئے۔ مظلوموں' کسانوں' طالب علموں' کلرکوں' پنشنروں' مزدوروں' اساتذہ و وکلا' ملازمت پیشہ افراد' تاجروں' خواتین' غرض ہر طبقے کے افراد ملک میں ایک بابرکت' شاندار اسلامی انقلاب کے لیے کوشاں ہوں گے تو پاکستان ایک مثالی فلاحی مملکت بن جائے گا۔ اس بابرکت اور شاندار اسلامی انقلاب تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی اور ان شاء اللہ جلد کامیاب ہو گی۔

سیاسی صورت حال

قرارداد مرکزی مجلس شوریٰ منعقدہ ۶' ۷ نومبر ۱۹۹۶ء

جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کا یہ ہنگامی اجلاس اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ ۴ اور ۵ نومبر کی درمیانی شب میں صدر مملکت کی جانب سے قومی اسمبلی کی تحلیل اور پیپلز پارٹی کی کرپٹ' ظالم اور بدعنوان حکومت کی برطرفی کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ اپنے تین سالہ دور حکومت میں پیپلز پارٹی نے عوام کو مہنگائی' بے روزگاری' بدامنی' بدعنوانی رشوت اور کرپشن کے تحفے دیے۔ شہریوں کے بنیادی حقوق سلب کیے۔ صدر' عدلیہ اور افواج پاکستان کو بے جا تنقید کا نشانہ بنایا گیا' اپنے سیاسی مخالفین کو جعلی پولیس مقابلوں میں ہزاروں کی تعداد میں قتل کرایا اور پاکستان کی اسلامی اساس اور دینی تشخص کو مجروح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سابقہ حکومت شہریوں کے لیے ایک عذاب اور ملک کی آزادی اور نظریہ کے لیے خطرہ بن چکی تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر اس انتہائی اقدام پر عوام نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا۔

عوام نے اس اقدام کو اس بنیاد پر تسلیم کیا ہے کہ اس کے نتیجے میں ملک کو کرپشن سے نجات ملے گی' بدعنوان افراد کا' خواہ وہ کوئی بھی ہوں' بے لاگ محاسبہ کیا جائے گا۔ لوٹی ہوئی دولت لٹیروں سے واپس لی جائے گی اور آئندہ انتخابات کے نتیجے میں ایک مخلص' اہل' دیانت دار اور صاحب ایمان قیادت میسر آسکے گی۔ یہ اقدام اٹھانے کے بعد صدر مملکت کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ کرپشن کے خاتمے اور ایک صاف ستھری قیادت کی فراہمی میں ملک کے محب وطن عناصر کا انہیں تعاون حاصل رہے گا۔ ملک معراج خالد کی پیپلز پارٹی سے دیرینہ وابستگی کے باوجود ان کے نسبتاً بہتر ماضی کے باعث نگران وزیراعظم کی حیثیت سے ان کی تقرری کو قبول کیا گیا۔ لیکن وفاقی کابینہ کی تشکیل سے لوگ شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے ہیں۔ پوری قوم صدر کے اس اقدام کے بعد ان کا پہلا خطاب سننے کی منتظر تھی۔ صدر نے قوم سے ۵ نومبر کو خطاب کیا لیکن اپنے اس اہم خطاب میں اپنے فرمان ہی کا اعادہ کیا اور اہم نکات کو تشنہ چھوڑ دیا۔

ہمارے نزدیک تو سابقہ حکومت کے جرائم کی فہرست میں یہ جرم بھی نہایت سنگین تھا کہ اس نے ۲۴ جون کو جماعت کے پرامن نوجوانوں کو شہید کیا اور اس کے بعد ۲۷ اکتوبر کے پرامن احتجاج کو ناکام بنانے کے لیے عدالت عالیہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے اسلام آباد کو ملک کے دوسرے حصوں سے کاٹ دیا' پنڈی جانے والی ٹرینیں منسوخ کر دی گئیں' سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ کئی روز تک

ملک کے ایک بڑے حصے میں لوگوں کی زندگی مفلوج کر کے انھیں عذاب میں مبتلا رکھا۔ ٹرینوں اور بسوں کے مسافروں کی جگہ جگہ تلاشی لی گئی اور ڈاڑھی رکھنے کی پاداش میں لوگوں کو غیر آئینی و غیر قانونی طور پر گرفتار کر لیا گیا۔ اسلام آباد اور راولپنڈی کے موبائل فون اور پیجرز بند کر دیے گئے' پرامن مظاہرین پر پنڈی اور اسلام آباد میں زہریلے گیس شیل برسائے گئے اور لاٹھی چارج کیا گیا۔ ہزاروں بے گناہ افراد کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ لاہور میں جماعت اسلامی کے مرکزی دفتر کے سامنے ایک کارکن حافظ محمد یوسف کو شہید کر دیا گیا۔ صدر فاروق لغاری اور قائم مقام صدر وسیم سجاد کے مشورے اور عدالت کے فیصلے کے باوجود حکومت نے پورے ملک سے ہزاروں کی تعداد میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو راولپنڈی اور اسلام آباد جمع کر کے ان سے قانون شکنی اور آئین شکنی کا کام لیا۔ لیکن معلوم نہیں کس مصلحت کی بنا پر صدر نے اپنی چارج شیٹ میں اس جرم کو شامل کرنا ضروری خیال نہ کیا۔

صدر نے آئین کے مطابق نوے دن کے اندر نئے انتخابات کا اعلان کرتے ہوئے ان کے لیے ۳ فروری کا دن بھی مقرر کر دیا ہے لیکن ماضی میں انتخابات میں دھاندلیوں اور ناجائز دولت کے استعمال کے پیش نظر قوم منتظر تھی کہ صدر آیندہ انتخابات کو شفاف بنانے کے لیے موثر اقدامات کا بھی اعلان کریں گے۔ اسی طرح یہ توقع بھی تھی کہ احتساب کے لیے موثر مشینری کی تجویز بھی ان کے خطاب میں شامل ہو گی۔ لوگ اس بات کے منتظر بھی تھے کہ صدر عام لوگوں پر سے ناقابل برداشت ٹیکسوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے قدم اٹھائیں گے۔ جون ۱۹۹۶ کا بجٹ عوام دشمن بجٹ تھا لیکن اس کے بعد بھی حکومت ہر مہینے ایک نیا منی بجٹ جاری کرتی رہی۔ گرانی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ بجٹ کی منظوری کے بعد اگست میں بجلی کے نرخوں میں ۲۰ فی صد تک اور ریل کے کرایوں میں ۱۰ فی صد اضافہ کر دیا گیا۔ مہنگائی' بدعنوانی' ظلم' ناانصافی' کرپشن اور ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف ملک میں پہلی مرتبہ سیاسی جماعتوں اور تاجروں نے مشترکہ طور پر ۱۰ اگست کو پورے ملک میں ہڑتال کی' لیکن اس کی کوئی پروا کیے بغیر حکومت نے پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں دوبارہ اضافہ کر دیا۔ آٹے کی قیمت میں ہوش ربا اضافہ کیا گیا۔ کرنسی نوٹ چھاپ کر افراط زر میں اضافہ کیا جاتا رہا۔ صدر نے مجبور ہو کر اسٹیٹ بنک کے گورنر کو ہدایت کی کہ افراط زر کی بڑھتی ہوئی شرح پر قابو پایا جائے۔ لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ حکومت روپے کی قدر میں مسلسل کمی کرتی رہی اور بے نظیر صاحبہ کی حکومت کے تین سالوں میں روپے کی قدر میں تقریباً ۲۸ فی صد کی کمی کر دی گئی۔ نیز ملک کی پوری تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آئین کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے گورنر سٹیٹ بنک نے اپنے دفتر میں بیٹھ کر ۲۲ اکتوبر کو ایک مزید منی بجٹ کا اعلان کر دیا جس میں ۱۳ ارب روپے کے اضافی ٹیکس لگائے گئے۔ یہ منی بجٹ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے دباؤ پر جاری کیا گیا۔ سابقہ حکومت نے قرضوں کے عوض ملک کی آزادی کا سودا کر لیا۔ پاکستان کو غیر ملکی مصنوعات کی منڈی بنا کر ملکی صنعت کو تباہ کیا جا رہا تھا۔ زراعت بھی تباہی کا شکار

ہے۔ غلہ برآمد کرنے والا ملک پاکستان اب گندم، آلو، پیاز، دالیں اور شکر درآمد کرنے پر مجبور ہے۔ اس منی بجٹ کے خلاف ۲۶ اکتوبر کو ملک گیر ہڑتال کی گئی لیکن حکومت نے نہ صرف یہ کہ عوامی مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا بلکہ قوم پر مزید تازیانے برسانے پر تلی رہی۔

ملک میں کوئی حکومت نہیں تھی بلکہ بدامنی کا راج تھا۔ سیاسی مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنا ایک معمول بن گیا تھا۔ حکومت نے فرقہ وارانہ فسادات کروانے کی سازشیں بھی کیں۔ کراچی اور میلسی میں فائرنگ کی وارداتوں میں ۲۷ افراد کا جاں بحق ہونا اور پھر ملتان مین عین نماز فجر کی ادائگی کے دوران ۲۱ نمازیوں کی شہادت فرقہ وارانہ فسادات بھڑکانے کی سازش تھی۔ حکومت اپنے دعوؤں کے باوجود قاتلوں کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔

۲۰ ستمبر کو میر مرتضیٰ بھٹو اور عاشق جتوئی سمیت چھ افراد کے پولیس کے ہاتھوں قتل نے پورے ملک میں تہلکہ مچا دیا۔ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جب وزیراعظم کا بھائی بھی پولیس کے ہاتھوں قتل کرایا جا سکتا ہے تو پھر کون خود کو محفوظ سمجھ سکتا ہے۔ بے نظیر بھٹو بہت سے راز افشا کرنے کی دھمکیاں تو دے رہی ہیں لیکن وہ جانتے ہوئے بھی تحقیقاتی ٹریبونل کو اپنے بھائی کے قاتلوں کے نام بتانے پر آمادہ نہیں۔

سابقہ حکومت کے دور میں پاکستان دنیا کے سب سے زیادہ کرپٹ چند ممالک کی فہرست میں آگیا ہے۔ کرپشن کی شہرت کے باوجود وفاقی کابینہ میں بلاجواز پندرہ نئے وزرا اور وزرائے مملکت کو شامل کرتے ہوئے کرپشن کے بارے میں بدنام زمانہ آصف زرداری کو بھی وفاقی وزیر اور وہ بھی سرمایہ کاری کا وزیر بنا دیا گیا۔ قوم نے جب احتساب کا مطالبہ کیا تو اس مقصد کے لیے صدر کو اطلاع دیے بغیر احتساب سے متعلق ایک بل قومی اسمبلی کو بھیج دیا گیا جس کا مقصد احتساب نہیں بلکہ ملک کے قابل احترام آئینی اداروں کو بلیک میل کرنا تھا۔ عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے باوجود حکومت نے بلدیاتی اداروں کو بحال نہیں کیا بلکہ فیصلے کے نتیجے میں ان کے بحال ہوتے ہی انھیں دوبارہ توڑ دیا گیا۔ حکومت بلدیاتی اداروں کے وسائل کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر رہی تھی۔

آزاد کشمیر میں دھاندلی کے ذریعے انتخابات جیت کر پیپلز پارٹی نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ پاکستانی حکومت کی کمزوری کے باعث بھارت نے پاکستانی سرحدوں پر جدید ریڈار اور میزائل نصب کر دیے ہیں۔ سیالکوٹ سیکٹر اور وادی نیلم پر اس کی فائرنگ جاری ہے۔ بھارت نے ہم پر غیر اعلانیہ جنگ مسلط کر دی ہے۔ ۷ لاکھ فوجیوں کی مدد سے اس نے مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کا ڈھونگ رچا لیا ہے لیکن حکومت پاکستان بھارت کے ساتھ تجارتی تعلقات کو فروغ دے رہی تھی۔ اس بنا پر اس شبہ کو تقویت مل رہی تھی کہ حکومت پاکستان نے ایٹمی مسئلہ اور کشمیر پر بیرونی طاقتوں کے دباؤ میں آکر بھارت کے ساتھ سازباز کر لی ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے کشمیر میں استصواب رائے پر زور دینے کے بجائے ایک کثیر ملکی کانفرنس بلانے کی مضحکہ خیز تجویز پیش کی جسے مسترد کر دیا گیا۔

ان اندرونی و بیرونی خطرات کی موجودگی میں سرکاری میڈیا ملک میں فحاشی، عریانی اور بے حیائی کو فروغ دیتا رہا۔ پوری نوجوان نسل کو بدراہ کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ متوسط اور غریب طبقہ کے بچوں کو تعلیم سے محروم کرنے کے لیے حکومت قومی ملکیت میں لیے جانے والے تعلیمی اداروں کو پھر نجی ملکیت میں دے رہی تھی۔

اسمبلیوں کی وقعت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ صوبہ پنجاب میں میاں منظور وٹو کی درخواست کی عدالت عالیہ میں سماعت کے دوران ہی ممبران اسمبلی کو یرغمال بنا کر ملک میں پھیلا دیا گیا۔ بعض کو بیرون ملک بھی منتقل کر دیا۔ یہ ہارس ٹریڈنگ کا نقطہ عروج تھا۔

اس پس منظر میں صدر فاروق احمد خان لغاری نے اپنے آئینی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے اسمبلی اور وفاقی کابینہ کو برطرف کر دیا جس کا مجموعی طور پر خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن اس اقدام کے مثبت نتائج کے حصول کے لیے شوریٰ کا یہ اجلاس صدر مملکت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بلاتاخیر یہ ضروری اقدامات کریں۔

۱۔ آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کو یقینی بنانے کے لیے ایک مستقل، بااختیار، اہل اور سرکاری اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد سپریم کورٹ کے سابق یا موجودہ ججوں پر مشتمل ایک نیا الیکشن کمشن تشکیل دیا جائے۔ کمیشن ووٹروں کی فہرستوں کی درستگی کا کام فوری طور پر انجام دے۔ ۱۹۸۱ کے بعد سے مردم شماری کا کام التوا کا شکار ہے۔ ۹۰ دن کی مدت کے اندر پورے ملک میں مناسب انتظامات کے تحت ایک دن فوج کی نگرانی میں مردم شماری کرائی جائے۔ شناختی کارڈوں کی جانچ پڑتال کی جائے، بوگس شناختی کارڈ منسوخ کیے جائیں اور جن کو ابھی تک شناختی کارڈ نہیں ملے انھیں جاری کیے جائیں۔ ووٹ ڈالنے کے لیے شناختی کارڈ کو لازمی قرار دیا جائے۔ جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات میں کسی امیدوار کو آزاد حیثیت میں انتخاب لڑنے کی اجازت نہ ہو۔ کسی شخص کو ایک سے زائد حلقوں میں انتخاب لڑنے کی اجازت نہ دی جائے، البتہ بیک وقت قومی و صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کا مجاز ہو۔ قومی و صوبائی اسمبلیوں میں الیکشن میں اخراجات کی حد کا تعین کیا جائے، اگر کوئی امیدوار اس سے زائد رقم خرچ کرے تو اسے نااہل قرار دے دیا جائے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ایک ہی دن کرائے جائیں۔ صرف ایسے ہی امیدواروں کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت ہو، جو آئین کی شقوں ۶۲ اور ۶۳ کے معیار پر پورے اترتے ہوں اور اس غرض کے لیے الیکشن کمشن کو ایسی مشینری وضع کرنے کا پابند کیا جائے جو ایک مقررہ مدت میں تمام امیدواروں کا جائزہ لے کر اسے یقینی بنائے۔ ممبر منتخب ہونے کے بعد بھی اگر وہ ان کی خلاف ورزی کے مرتکب ثابت ہوں تو انھیں نااہل قرار دے دیا جائے۔ پارٹیاں تبدیل کرنے کی روک تھام کے لیے آرڈیننس نافذ کیا جائے، انتخابات متناسب نمایندگی کے اصول پر کرائے جائیں۔

۲۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران، سرکاری افسران اور پبلک شعبہ سے متعلق عہدے داروں کے مسلسل احتساب کے لیے ایک مستقل اعلیٰ اختیاراتی عدالتی احتساب کمشن قائم کیا جائے جو سپریم

کورٹ اور ہائی کورٹس کے موجودہ یا ریٹائرڈ ججوں پر مشتمل ہو۔ کمشن سابقہ حکومتوں سے متعلق افراد کے احتساب کو اولیت دے۔ اس کام کو فی الفور شروع کیا جانا چاہیے۔ جن لوگوں نے اپنے عہدوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ملک کو لوٹا ہے اور ناجائز دولت جمع کی ہے' ان کی تمام املاک ضبط کر کے عبرت ناک سزائیں دی جائیں اور انھیں ہمیشہ کے لیے انتخابات میں حصہ لینے کا نااہل قرار دے دیا جائے۔

۳۔ عبوری حکومت میں شامل افراد بھی اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کریں۔ عبوری حکومت کے وزرا اپنے اثاثہ جات کا اعلان کریں اور اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا وہ آئین کی دفعات ۶۲ اور ۶۳ کی ضروریات پوری کرتے ہیں یا نہیں۔ جو اس معیار پر پورے نہ اترتے ہوں' انھیں نگران حکومت سے فارغ کر دیا جائے۔

۴۔ سرکاری میڈیا کو بے حیائی' عریانی اور فحاشی کو فروغ دینے سے روکا جائے۔ تمام سیاسی جماعتوں کو مناسب کوریج دی جائے۔

۵۔ سابقہ حکومت نے غیر آئینی طور پر جو منی بجٹ ملک پر مسلط کیا تھا' اسے واپس لیا جائے۔ گرانی و بے روزگاری کے خاتمے کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں اور جنرل سیلز ٹیکس فوری طور پر واپس لیا جائے۔

۶۔ حکومت بیرونی دباؤ میں آ کر ایٹمی مسئلہ اور کشمیر کے مسئلہ پر سودے بازی نہ کرے۔

۷۔ سابقہ حکومت کے خلاف جدوجہد کی پاداش میں گرفتار شدگان کو فی الفور رہا کیا جائے اور ان پر قائم تمام مقدمات ختم کر دیے جائیں۔ نیز سابقہ حکومت نے جن شہریوں پر ظلم اور زیادتیاں کی ہیں' بے گناہ افراد کو قتل یا زخمی کیا ہے' یا بلاوجہ قید میں رکھا ہے' ان کی تحقیقات کے لیے بھی میر مرتضیٰ بھٹو کیس کی تحقیقات کی طرز پر ایک اعلیٰ عدالتی تحقیقاتی کمشن تشکیل دیا جائے۔

مجلس شوریٰ اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ ان مطالبات کے لیے جماعت اسلامی رابطہ عوام کی پرزور تحریک چلائے گی۔ مجلس شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان اپنی اس رائے کا بھی اظہار کرتی ہے کہ صدر مملکت نے اگر یہ ضروری اقدامات نہ کیے تو محض سابقہ حکومت کو ہٹانے اور اسمبلی توڑنے سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ جہاں یہ ضروری ہے کہ دستور کی متعین کردہ مدت میں نئے انتخابات منعقد کیے جائیں وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ دوسری دستوری دفعات پر بھی اسی مستعدی سے عمل کیا جائے تاکہ انتخابات بہتر قیادت کو بروئے کار لانے کا ذریعہ بن سکیں۔ عوام اب اتنے دکھ جھیل چکے ہیں کہ ان میں مشکلات کا مزید بوجھ اٹھانے کی سکت باقی نہیں رہی ہے۔ عوام اب کرپٹ لوگوں اور کرپشن کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے۔ اس وقت ہر دن قیمتی ہے' اسے ضائع نہ کیا جائے' ملک اور عوام کو مصائب سے نکالنے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

کون نہیں چاہتا

ہمارا معاشرہ کرپشن سے پاک ہو
یہاں خیر و فلاح کا دور دورہ ہو
مظلوم طاقت ور ہوں اور ظالم کمزور

یہ منزل ناقابل حصول نہیں
لیکن اسباب کی اس دنیا میں
منزل خواہش سے نہیں' جدوجہد سے ملتی ہے

جو یہ چاہتے ہیں
سب جمع ہو جائیں' ایک ہو جائیں
ایک آواز پر لبیک کہیں'
صرف خواہش پر نہ رک جائیں'
اپنی پوری کوشش بھی کریں۔
اللہ سے دعائیں بھی کریں۔
تو منزل دور نہیں ہے۔
ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم
حتٰی یغیروا ما بانفسھم

تصاویر قرآنی

عالم آخرت کی تصویریں

سید قطب شہیدؒ

اب ہم قیامت کے مناظر بیان کریں گے' اور راحت وعذاب کی تصویروں پر روشنی ڈالیں گے۔ اس لیے کہ قرآنی تصاویر میں ان کا حصہ بہت بڑا اور مکمل ہے۔

قیامت اور حشر کی تصویریں

۱۔ قیامت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیْءٍ نُّکُرٍ۔ خُشَّعًا اَبْصَارُھُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ۔ مُّھْطِعِیْنَ اِلَی الدَّاعِ یَقُوْلُ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ۔ (القمر ۵۴:۶-۸)

جس روز پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا' لوگ سہمی ہوئی نگاہوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے اور وہی منکرین (جو دنیا میں اس کا انکار کرتے تھے) اس وقت کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔

یہ حشر کے مناظر میں سے ایک منظر ہے۔ مختصر ہے اور تیزی سے گزرنے والا۔ مگر یہ بڑا نمایاں اور حرکت پذیر ہے۔ اس کی علامات وحرکات ہر لحاظ سے مکمل ہیں۔

دیکھیے' یہ گروہ کے گروہ آن واحد میں قبروں سے یوں نمودار ہو رہے ہیں' جیسے ٹڈی دل پھیلا ہوا ہو۔ ٹڈی دل کے جانے پہچانے منظر سے یہ تصور کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ حشر کا یہ منظر کتنا عجیب ہے۔ یہ گروہ پکارنے والے کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ انھیں کچھ معلوم نہیں کہ پکارنے والا ان کو کس لیے پکار رہا ہے۔ وہ انھیں ایک سخت ناپسندیدہ اور ناگوار چیز کی طرف بلا رہا ہے' جس کے بارے میں انھیں کچھ معلوم نہیں۔ ان کی نگاہیں سہمی ہوئی ہیں' دہشت اور ڈر کے مارے اٹھ نہیں رہیں۔ یہ آخری نقش ہے۔ اس

سے یہ تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔

ہجوم، دہشت، اور جلدی کے اس عالم میں کفار کہتے ہیں کہ "یہ دن تو بڑا کٹھن ہے"۔ ظاہر ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے جملوں کے بعد منظر کا کون سا پہلو ہے جس کی تصویر کشی باقی رہ جاتی ہے۔ اب سامعین اس سخت، ناگوار دن کو چشم تخیل سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ خود اس تصویر کا حصہ بن جاتے ہیں، کیونکہ تصویر متحرک ہے۔ گویا ان کی اپنی تصویر ان کی نگاہ کے سامنے ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ابھی قبروں سے اٹھے ہیں، خوف و ہراس ان پر اسی طرح نمایاں ہے جس طرح اس منظر میں ہر زندہ چیز متاثر نظر آتی ہے۔

۲۔ یہ قیامت کے مناظر میں سے دوسرا منظر ہے۔ اس منظر میں لوگوں کے تیزی سے بھاگنے کا ذکر بھی ہے، اور ان کے خوف اور خطرے کا بھی۔ مگر یہ پہلے منظر کی نسبت زیادہ ہولناک ہے، اور اس کی تصویر کا رنگ زیادہ گہرا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ، اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ۔ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ، وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ (ابراھیم ۱۴: ۴۲-۴۳)۔

اب یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ کو تم اس سے غافل نہ سمجھو۔ اللہ تو انھیں ٹال رہا ہے۔ اس دن کے لیے جب حال یہ ہو گا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں، سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں، نظریں اوپر جمی ہیں اور دل اڑے جاتے ہیں۔ اے نبیؐ! اس دن سے تم انھیں ڈرا دو جب کہ عذاب انھیں آلے گا۔

ان آیات میں چار تصویریں ہیں جو بتدریج ایک کے بعد ایک نمودار ہو رہی ہیں، یا ایک ہی واقعے کے چار مناظر ہیں جن کو ایک دوسرے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس طرح ذہن میں ایک نمایاں صورت سامنے آ جاتی ہے۔ یہ ایک نادر تصویر ہے: گھبراہٹ کی، شرمندگی کی، ڈر اور خوف کی، اور پھر لاچارگی کے سامنے سپر ڈال دینے کی۔ اس میں حزن و غم کے گہرے سائے ہیں، اور لوگ اس سے انتہائی مغموم اور حسرت کا شکار نظر آ رہے ہیں۔ یہ تصویر آج کے زندہ انسانوں کو دکھائی جا رہی ہے، اور جن کی تصویر ہے وہ بھی زندہ انسان ہیں، مگر کل کے۔ دونوں کے حواس یکساں قسم کے ہیں۔ اس طرح کل کے زندہ آدمیوں کی یہ تصویر آج کے زندہ انسان کے دلوں پر نقش ہو جاتی ہے، اور اس طرح مشترک وجدان و تخیل کے ذریعے ایک کا شعور و ادراک، دوسرے کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب قاری ان آیات کو پڑھتا ہے تو اس کے رگ و پے پر دہشت طاری ہو جاتی ہے، اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ حالت خود اس کی ذات پر طاری ہو رہی ہے۔

۳۔ اب ہول اور خوف و دہشت کی ایک عظیم تصویر سامنے آتی ہے۔ الفاظ اس کی ہولناکی کو بیان کرنے

سے قاصر ہیں۔ ہم اسے نقل کرتے ہیں تاکہ وہ خود اپنے مفہوم کا اظہار کرے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ۔ (الحج ۲۲: ۱-۲)۔

لوگو' اپنے رب کے غضب سے بچو' حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے' حال یہ ہو گا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی' ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا' اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے' حالاں کہ وہ نشے میں نہ ہوں گے' بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہو گا۔

ایک منظر یہ ہے: زمین زور زور سے ہل رہی ہے' گویا اس کو پکڑ کے جھنجھوڑا جا رہا ہے۔ ہر چیز ہل رہی ہے۔ قیامت برپا ہے۔ زلزلے کی تصویر خود ہی ہولناک ہے' آنے والے منظر اور زیادہ خوف ناک ہیں۔

ایک ہولناک منظر ایسی دودھ پلانے والی عورتوں سے بھرا ہوا ہے جو اپنے بچوں کو بالکل بھول گئی ہیں۔ اِدھر اُدھر دیکھ رہی ہیں مگر انھیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ حرکت تو کر رہی ہیں مگر خود کو کچھ پتہ نہیں کہ کدھر جا رہی ہیں۔ ایک اور منظر ہے جس میں خوف و دہشت کا یہ عالم ہے کہ حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے ہیں۔

آخری منظر میں لوگ یوں دکھائی دے رہے ہیں جیسے ان پر نشہ طاری ہے۔ انھوں نے نشہ نہیں پیا' مگر ان کی بہکی بہکی نظروں اور لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں سے ظاہر ہے کہ وہ نشہ میں مدہوش و بد حواس ہیں۔

لوگوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ آنکھ دیکھ رہی ہے' تخیل پر تصویر چھائی ہوئی ہے' مگر بڑھتی ہوئی دہشت' ہر چیز کو فراموش کرائے دے رہی ہے۔ اس لیے پورا منظر ہر طرف سے ذہن میں قرار نہیں پکڑ رہا۔ اس ہول و دہشت کا اندازہ حجم اور ضخامت سے نہیں لگایا جا سکتا' اس کا کچھ اندازہ انسانوں پر جو گزر رہی ہے اسی سے ہو سکتا ہے: دودھ پلانے والی عورتوں کو دیکھیے جو اپنے بچوں کو بھول گئیں۔ ان حاملہ عورتوں پر نظر ڈالیے' ڈر کے مارے جن کے حمل ساقط ہو گئے۔ پھر ان آدمیوں کو دیکھیے جو نشہ استعمال کیے بغیر نشہ سے بد حواس نظر آ رہے ہیں۔

دراصل اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی بڑا شدید ہے' یہ اسی کی کار فرمائی ہے۔

۳۔ یہ تین مناظر خوف و دہشت کے مناظر کی ہولناکی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتے ہیں۔ اب وہ مناظر دیکھیے جن کا ادراک صرف وجدان ہی کر سکتا ہے۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (عبس ۸۰: ۳۷)۔

ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا (المعارج ۷۰: ۱۰)۔

اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا۔

دل اور خیال پر فکر و پریشانی کے چھا جانے کی ان سے زیادہ مختصر اور مختصر ہونے کے باوجود مفصل و موثر تصویریں اور کیا ہو سکتی ہیں۔ دل کی یہ کیفیت ہے کہ اپنی فکر اور پریشانی کے سوا اس میں کسی چیز کی گنجایش ہی نہیں ہے۔ اپنے سوا نہ کسی کو پوچھتا ہے' نہ کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۵۔ آخر میں حشر کے مقامات میں سے ایک اور مقام کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعض اجزا میں تفصیل پائی جاتی ہے۔ یہ خود متعدد مناظر پر مشتمل ہے۔ کہیں دو منظروں کے درمیان وقفہ پایا جاتا ہے' مگر اسے تخیل بھر دیتا ہے۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ (یٰسین ۳۶: ۴۹-۵۰)۔

وہ بس ایک دھماکہ ہے جو یکایک انھیں اس حالت میں دھر لے گا جب یہ (اپنے دنیوی معاملات) میں جھگڑ رہے ہوں گے' اور اس وقت یہ وصیت تک نہ کر سکیں گے' نہ اپنے گھروں کو پلٹ سکیں گے۔

یہ پہلی چنگھاڑ ہے! اس نے ان کو اچانک آ لیا ہے جب کہ یہ ابھی اپنے جھگڑوں' قضیوں ہی میں مشغول ہیں۔ یہ اس قدر اچانک آگئی ہے کہ ان کے لیے کچھ کہنا سننا اور وصیت کرنا بھی ممکن نہیں ہو رہا۔ تاکہ انھیں جلدی سے قبروں میں پہنچا دے۔

پھر دیکھیے:

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا۔ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔ (یٰسین ۳۶: ۵۱-۵۲)۔

پھر ایک صور پھونکا جائے گا۔ اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گھبرا کر کہیں گے: "ارے' یہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھا کھڑا کیا؟" — "یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں کی بات سچی تھی"۔

یہ دوسری چنگھاڑ ہے! اب یہ قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ سخت دہشت زدہ ہیں۔ اسی دہشت کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں' یہ ہمیں قبروں سے کس نے اٹھا دیا۔ پھر

ذرا آنکھیں ملتے ہیں تو پتا چلتا ہے: "یہ تو وہی چیز ہے' وہی وقت ہے' جس کا رب رحمٰن نے وعدہ کیا تھا۔ پیغمبر سچ ہی کہتے تھے"۔

آگے سنیے:

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۔ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (یٰسین ۳۶: ۵۳-۵۴)۔

ایک ہی زور کی آواز ہوگی اور سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔ آج کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور تمھیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے تھے۔

یہ آخری چیخ ہے! اس وقت سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے گئے ہیں۔

اب لوگ واقعی جمع ہو گئے ہیں۔ منظر کا نقشہ پوری طرح کھنچ گیا ہے۔ جو لوگ آج اس وقت قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں' وہ دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے: "آج کے دن کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا' اور تم کو ان ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے"۔

۶۔ یہ ایک اور منظر اس وقت کا ہے جب قیامت کے دن سب لوگ جمع ہو گئے ہیں' اور انھیں خدا کے سامنے پیش کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اچانک ہم ایک گروہ دیکھتے ہیں۔ یہ دنیا میں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے' مگر اب ایک دوسرے سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے تک نہیں۔ دنیا میں یہ لوگ ایک دوسرے کو گمراہی میں سہارا دیتے تھے' آگے بڑھاتے تھے۔ ان میں سے بعض اہل ایمان کے مقابلے میں فخر و غرور کا اظہار کرتے تھے' اور جب مومن آخرت کی نعمتوں کے لیے تگ و دو کرتے تھے تو یہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

اب یہ لوگ گروہ در گروہ دوزخ کی جانب دھکیلے جا رہے ہیں۔ یہ پہلا گروہ ہے جو جہنم رسید ہو چکا ہے۔ ان کو دوسرے گروہ کے داخل جہنم ہونے کی خبر ملتی ہے۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ (ص ۳۸: ۵۹)۔

یہ ایک لشکر ہے جو تمھارے پاس گھسا چلا آ رہا ہے۔

تو اس کا جواب وہ کیا دیتے ہیں؟ کہتے ہیں:

لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۔ (ص ۳۸: ۵۹)

"کوئی خوش آمدید ان کے لیے نہیں ہے' یہ آگ میں جھلسنے والے ہیں"۔

تو کیا جن کو گالی دی گئی وہ سن کر خاموش رہیں گے؟ ہرگز نہیں۔ وہ انھیں جواب دیتے ہیں:

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ۔ (ص ۳۸: ۶۰)

وہ ان کو جواب دیں گے' "نہیں بلکہ تم ہی جھلسے جا رہے ہو' کوئی خیر مقدم تمہارے لیے نہیں۔ تم ہی تو یہ انجام ہمارے سامنے لائے ہو' کیسی بری ہے یہ جائے قرار"۔

پھر کیا ہوتا ہے؟ وہ اہل ایمان ان کو یہاں نظر نہیں آ رہے ہیں جن پر وہ دنیا میں کبر و غرور کا اظہار کیا کرتے تھے' اور سمجھتے تھے کہ ان کا انجام برا ہو گا۔ یہ کیا بات ہوئی! وہ ان کے ساتھ جہنم میں کیوں داخل نہیں ہوئے۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۔ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۔ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ۔ (ص ۳۸: ۶۲-۶۴)

اور وہ آپس میں کہیں گے "کیا بات ہے' ہم ان لوگوں کو کہیں نہیں دیکھتے جنھیں ہم دنیا میں برا سمجھتے تھے؟ ہم نے یونہی ان کا مذاق بنا لیا تھا' یا وہ کہیں نظروں سے اوجھل ہیں؟ بے شک یہ بات سچی ہے' اہل دوزخ میں یہی کچھ جھگڑے ہونے والے ہیں۔

ہم آج جہنمیوں کے اس لڑائی جھگڑے کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے یہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہو رہے ہیں۔ ہر انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا یہ ماجرا خود اس کو پیش آ رہا ہے۔ بس وہ کسی طرح اس سے بچے۔ ڈر رہا ہے' بچ رہا ہے—— اگر اب ڈرنے کا کوئی فائدہ ہو—— کہ یہ افتاد اس پر نہ پڑے۔

راحت و عذاب کی تصویریں

یہ حشر و نشر کے مناظر تھے' جہنمیوں کی باہمی گفتگو تھی' اور گہری دوستی کے باوجود ایک دوسرے کو پہچاننے سے انکار۔ اب ہم جنت و جہنم کے راحت و عذاب کی چند تصویریں پیش کرتے ہیں:

۱۔ دوزخیوں کے جہنم رسید ہونے کا' جنتیوں کے جنت میں استقبال کا' اور عدالت الٰہی کے اختتام کا' یہ تین مناظر دیکھیے: دوزخیوں کا منظر بیان ہوتا ہے:

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۗ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ (الزمر ۳۹: ۷۱-۷۲)

(اس فیصلہ کے بعد) وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا تھا' جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے' یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے

کارندے ان سے کہیں گے "کیا تمھارے پاس تمھارے اپنے لوگوں میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جنھوں نے تم کو تمھارے رب کی آیات سنائی ہوں اور تمھیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت تمھیں یہ دن بھی دیکھنا ہوگا؟" وہ جواب دیں گے "ہاں' آئے تھے' مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پر چپک گیا"۔ کہا جائے گا' داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں' یہاں اب تمھیں ہمیشہ رہنا ہے' بڑا ہی برا ٹھکانا ہے یہ متکبروں کے لیے۔

اب اہل جنت کے منظر کا نظارا کیجیے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ - وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ - (الزمر ۳۹: ۷۳-۷۴)۔

اور جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے انھیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے' اور اس کے دروازے پہلے ہی کھولے جا چکے ہوں گے' تو اس کے منتظمین' ان سے کہیں گے کہ "سلام ہو تم پر' بہت اچھے رہے' داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے"۔ اور وہ کہیں گے "شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا' اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں"۔ پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔

اس منظر کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - (الزمر ۳۹: ۷۵)۔

اور تم دیکھو گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کر رہے ہوں گے۔ اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جائے گا' اور پکار دیا جائے گا کہ حمد ہے اللہ رب العالمین کے لیے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ منظر ہر طرح نمایاں اور واضح ہے۔ اس کے سارے خطوط بڑے حسن اور خوبی کے ساتھ مرتب و منظم اور ہم آہنگ ہیں' اس کی جزئیات تک نگاہ کے سامنے ہیں۔ یہ ہماری کسی تشریح و توضیح کا محتاج نہیں۔

آیئے' اب جنت و جہنم والوں پر جو کچھ گزر رہی ہے' ہم ذرا پس دیوار جنت و جہنم جا کر اس کا نظارا کریں

۲۔ دوزخیوں کا حال یہ ہے:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ۔ طَعَامُ الْاَثِیْمِ۔ کَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ۔ كَغَلْيِ الْحَمِیْمِ۔ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ۔ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ۔ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ۔ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ۔ (الدخان ۴۴: ۴۳-۵۰)۔

زقوم کا درخت گناہ گار کا کھاجا ہوگا، تیل کی تلچھٹ جیسا، پیٹ میں وہ اس طرح جوش کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔ "پکڑو اسے اور رگیدتے ہوئے لے جاؤ اس کو جہنم کے بیچوں بیچ اور انڈیل دو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب۔ چکھ اس کا مزا، بڑا زبردست عزت دار آدمی ہے تو۔ یہ وہی چیز ہے جس کے آنے میں تم لوگ شک رکھتے تھے"۔

اور اہل جنت کا مقام یہ ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ۔ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ۔ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ۔ یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ۔ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی، وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ۔ (الدخان ۴۴: ۵۱-۵۶)

خدا ترس لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں، حریر و دیبا کے لباس پہنے، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ ہوگی ان کی شان۔ اور ہم گوری گوری آہو چشم عورتیں ان سے بیاہ دیں گے۔ وہاں وہ اطمینان سے ہر طرح کی لذیذ چیزیں طلب کریں گے۔ وہاں موت کا مزہ وہ کبھی نہ چکھیں گے۔ بس دنیا میں جو موت آچکی، سو آچکی۔ اور اللہ اپنے فضل سے ان کو جہنم کے عذاب سے بچادے گا۔

یہ مناظر بھی واضح اور نمایاں ہیں، تشریح و توضیح سے بے نیاز۔

۳۔ ہم قیامت کے مناظر کے تذکرہ کو ایک ایسے منظر پر ختم کرتے ہیں جو متعدد متنوع و مختلف مناظر پر مشتمل ہے اور جس کو بڑے انوکھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ۔ (الاعراف ۷: ۴۴-۴۵)۔

پھر یہ جنت کے لوگ دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے، "ہم نے ان سارے وعدوں کو ٹھیک پایا جو ہمارے رب نے ہم سے کیے تھے کیا تم نے بھی ان وعدوں کو ٹھیک پایا جو تمہارے رب نے کیے تھے؟"۔ وہ جواب دیں گے "ہاں"۔ تب ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے

گا کہ "خدا کی لعنت ان ظالموں پر جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور آخرت کے منکر تھے"۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ، وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ، وَنَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ، لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ، قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الاعراف ۷: ۴۶-۴۷)۔

ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہو گی جس کی بلندیوں (اعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے۔ یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ "سلامتی ہو تم پر"۔ یہ لوگ جنت میں تو داخل نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہوں گے۔ اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے، "اے ہمارے رب، ہمیں ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو"۔

وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ۔ أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ، أُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔ وَنَادٰى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ، قَالُوْٓا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الاعراف ۷: ۴۸-۵۰)۔

پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے کہ "دیکھ لیا تم نے، آج نہ تمھارے جتھے تمھارے کسی کام آئے اور نہ وہ سازو سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے۔ اور کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں، جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ نہ دے گا؟ آج انھی سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تمھارے لیے نہ خوف ہے نہ رنج"۔ اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمھیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو"۔ وہ جواب دیں گے کہ "اللہ نے یہ دونوں چیزیں ان منکرین حق پر حرام کر دی ہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تفریح بنا لیا تھا"۔

کئی مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں! یہ یکے بعد دیگرے سامنے نمودار ہو رہے ہیں:

پہلے، جنت والے اور دوزخ والے ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔ جنت والے دوزخ والوں سے کہتے ہیں: ہمارے پروردگار نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پایا، کیا تم نے بھی اس کے وعدہ کو سچا پایا ہے؟ اس سوال میں دوزخیوں کا جس طرح مذاق اڑایا گیا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اب وہ حقیقت کا انکار نہیں کر

سکتے' نہ اس کو ٹال سکتے ہیں۔ کہتے ہیں: ہاں۔ اسی اثنا میں پکارنے والا پکارتا ہے: ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔

پھر ہم اعراف کے سامنے جا کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جنت و جہنم کے مابین حد فاصل ہے۔ اعراف کی دیوار پر چند آدمی بیٹھے ہیں جو اہل جنت و جہنم دونوں کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ جب یہ جنت والوں کو دیکھتے ہیں تو سلام اور مبارکباد پیش کرتے ہیں' اور جب ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف پھرتی ہیں تو ان کو لعنت ملامت کرتے ہیں۔ وہ دوزخیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ "کیا یہ وہی جنتی لوگ نہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ان پر ہرگز خدا کی رحمت نہیں ہوگی"۔ اب ذرا دیکھو وہ کہاں ہیں؟ اب وہ جنت میں ہیں اور ہر طرح کے احترام واکرام سے نوازے جا رہے ہیں۔

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جہنمی' اہل جنت سے پانی اور دیگر نعمتیں مانگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دے رکھی ہیں۔ ان کے پاس خدا کی دی ہوئی ہر چیز موجود ہے' جو لوگ محروم التفات ہیں ان پر بھی نگاہ کرم چاہیے مگر جنت والے یہ کہہ کر معذرت کر دیتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں دوزخیوں پر حرام ہیں۔

یہ ہیں قیامت کے مناظر و مشاہد۔ اور یہ ہیں وہ مکالمے اور بحث و جدل جو آخر میں ہوں گے۔ اور یہ ہیں اخروی زندگی میں راحت و عذاب کی تصاویر۔ ذرا سوچیے' جب قاری کے سامنے یہ مناظر گزر رہے تھے' تو کیا وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ واقعات مستقبل بعید میں پیش آنے والے ہیں؟ یا اس کے برعکس وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ واقعات قرات و تلاوت کے وقت اس کی نگاہ کے سامنے پیش آ رہے ہیں اور وہ اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہا ہے؟

جہاں تک میرا تعلق ہے' ان آیات کو پڑھتے ہوئے میں اپنے آپ کو یکسر بھول گیا۔ میں یہ بھی بھول گیا کہ میں ان مناظر کو ان کے فنی لباس میں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ان واقعات کو عالم خیال میں نہیں' اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ دراصل یہ قرآن کے اسلوب کا اعجاز ہے' جو وہ ان مناظر کی تصویر کشی کرنے اور انھیں پیش کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس اعجاز کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصویر کشی صرف الفاظ کے ذریعے کی گئی ہے' کسی مادی آلہ کی مرہون منت نہیں۔

اپنی تربیت کیسے کریں - ۲

تربیت آسان ہے' بالکل بس میں ہے

خرم مراد

[یہ تربیت کے موضوع پر زیر تحریر کتاب کا ایک باب ہے۔ ایک باب ماہ نومبر میں شائع ہو چکا ہے]

جنت کی خواہش کرنا تو آسان لگتا ہے' جنت کی طلب بھی دل میں محسوس ہوتی ہے' مگر اسے حاصل کرنے کے لیے اپنی تربیت کرنا انتہائی دشوار کام لگتا ہے' بلکہ بعض اوقات ناممکن سا لگتا ہے۔ زندگی اس طرح بسر کرنا کہ جنت میں داخل ہو سکیں' اس لائق بننا کہ جنت کے راستے پر چل سکیں' لگتا ہے کہ یہ اپنے بس میں نہیں۔

لیکن جب تم تربیت کے راستے پر پہلا قدم اٹھالو' اور سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کرلو کہ اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہی زندگی میں سب سے بڑھ کر محبوب و مقصود ہونا چاہیے--- اور ہو گا--- تو سب سے پہلی یہی بات جاننا' اور اسی پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ تربیت کا راستہ آسان ہے' اور جنت کا حاصل کرنا بالکل اپنے بس میں ہے۔ اور اسے آسان اور بس میں ہونا ہی چاہیے۔ تاکہ ہم سہولت سے اس راستے پر چل سکیں جو ہمیں جنت تک لے جائے۔ اس بات کو صرف ایک دفعہ جان لینا کافی نہیں' بلکہ اس کو بار بار دہرانا اور ہر دم تازہ رکھنا ضروری ہے۔

آسان ہونے اور بس میں ہونے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ اپنی تربیت کے لیے محنت نہیں کرنا ہو گی' ریاضت نہیں کرنا ہو گی' مجاہدہ نہیں کرنا ہو گا' یا یہ کہ اس راہ میں تکلیفیں پیش نہیں آئیں گی' ناگوار چیزیں برداشت نہیں کرنا پڑیں گی' دکھ اور ایذا نہیں پہنچے گی' مشکل اور دشوار مراحل سے نہیں گزرنا ہو گا۔ نہیں' ان میں سے ہر چیز پیش آسکتی ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہر ناگوار اور تکلیف دہ چیز کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمت و قوت' اور ہر مشکل سے نکلنے کے لیے راستہ بھی موجود ہے' اور دست گیری کا سامان بھی۔ ہر کام جس کے کرنے کا مطالبہ ہے وہ انسان کے اختیار اور بس میں ہے۔

آسان کیوں ہونا چاہیے: امتحان کا تقاضا

ہم نے صرف یہ نہیں کہا کہ تربیت کرنا آسان ہے' بلکہ یہ بھی کہا کہ اسے آسان ہی ہونا چاہیے۔ اس بظاہر تعجب خیز بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ آسان ہونا اس مقصد کا ناگزیر تقاضا ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و رحمت اور عدل کا بھی ناگزیر تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس زمین پر کس مقصد کے لیے یہ زندگی بخشی ہے؟ اس امتحان کے لیے کہ تم حسن عمل کی روش اختیار کرتے ہو' یا بد عملی کی۔ شکر کی راہ چاہتے ہو یا ناشکری کی۔ ایمان لاتے ہو یا کفر کرتے ہو۔ اطاعت کرتے ہو یا سرکشی و طغیانی۔ صرف اللہ کی بندگی کرتے ہو یا اس کے علاوہ دوسرے خدا بنا لیتے ہو۔ بات کسی اسلوب سے بھی کہو' مطلب ایک ہے' اور مدعا بھی ایک: اللہ کو تمھارا امتحان مقصود ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک ۶۷:۲)

جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (الدھر ۷۶:۳)

ہم نے اسے راستہ دکھا دیا' خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

جب امتحان ہے' تو تمھیں اختیار اور آزادی عمل بھی حاصل ہے۔ یہ ضروری تھا۔ مجبور و مقہور کا امتحان ایک بے معنی کام ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عدل سے بعید تھا کہ وہ ایسا عبث کام کرتے۔ عمل کے امتحان میں بھی ڈالتے' عذاب و ثواب کو بھی اس امتحان کے نتیجے پر منحصر کرتے' لیکن عمل کرنے کا اختیار اور آزادی تمھیں نہ بخشتے۔ چاند' سورج' ستارے اور فرشتے بال برابر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے---- کر نہیں سکتے۔ ان کا نہ حساب ہے' نہ ان کے لیے جنت میں داخل ہونے کے انعام کا امکان۔

یہ امتحان بھی عجیب نوعیت کا امتحان ہے۔ اگرچہ امتحان کی مدت بہت مختصر' فانی اور ختم ہونے والی ہے' لیکن اس کے نتیجے میں' حاصل ہونے والا عذاب شدید یا رضوان و جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے' مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ' جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے' جو کچھ اللہ کے پاس وہاں ہے' وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا ہے۔

کیونکہ جنت کا حصول تربیت پر موقوف ہے' اور جنت ہی مقصود زندگی ہے' اس لیے اللہ کی ربوبیت و رحمت کا تقاضا ہوا کہ جنت کی راہ' تربیت کا راستہ' آسان ہو اور ہر شخص کو دست یاب ہو۔ اس کی ربوبیت و رحمت کے اس قانون کا جلوہ تم زندگی میں ہر جگہ دیکھ سکتے ہو۔ جسم کی بقا و تربیت کے لیے ہوا ناگزیر ہے' ہم چند لمحے بھی ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہوا اس طرح عام ہے کہ ہر جگہ موجود ہے' ہر شخص کو دست

یاب ہے، اور بلا کسی کوشش کے دست یاب ہے۔ پانی بھی زندگی کے لیے ناگزیر ہے، لیکن ایک درجہ کم۔ وہ بھی ہر جگہ پہنچایا جاتا ہے، بہ آسانی دست یاب ہوتا ہے، لیکن ہوا کی طرح عام نہیں۔ تو جس تربیت پر عارضی نہیں ابدی زندگی میں بقا و فلاح کا انحصار ہو، کیا وہ ہوا اور پانی کے مثل، اپنی نوعیت کے لحاظ سے، آسانی سے اور عام طور پر دست یاب نہ ہو گی؟ امتحان تو ہر شخص کا مقصود ہے، جنت کی منزل تو ہر شخص کے سامنے رکھی گئی ہے۔ پھر کیا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عدل کے مطابق ہوتا کہ وہ امتحان میں بھی ڈالتا، دوڑ میں شریک بھی کرتا، سامنے جنت جیسا انعام اور ہدف بھی رکھ دیتا، مگر پھر جنت کی راہ پر دوڑنا اتنا دشوار اور مشکل بنا دیتا کہ ہر شخص کے لیے دوڑنا ممکن نہ ہوتا۔ لوگ ہمت ہار دیتے اور سمجھ لیتے کہ یہ تو دشوار بلکہ ناممکن کام ہے! اس پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے!

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کے لیے تربیت کے راستے پر چلانے کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ـ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (اللیل ۹۲: ۱۲-۱۳)

بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے، اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔

اور، جنت کے راستے، اطاعت کے راستے اور دین کے راستے کو "الیسریٰ" کا نام دیا ہے: "جو شخص نیک راستے میں خرچ کرتا ہے، دل میں خدا سے ڈرتا ہے، اسلام کی سچی باتوں اور اللہ کی بشارتوں کو سچا جانتا ہے، اس کے لیے ہم نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے، اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دیں گے، جس کا نام جنت ہے۔ (اللیل ۹۲: ۵-۷ موضح فرقان)

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ، اللہ تمھارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا (البقرہ ۲: ۱۸۵)۔ اور یہ بھی کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا، اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (النساء ۴: ۲۸)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اعلان فرمایا کہ الدین یسر ، دین کا راستہ، جنت اور تربیت کا راستہ، آسان راستہ ہے۔ بڑی شدت اور اہتمام سے، اپنے ساتھیوں کو جنھیں دنیا بھر کو جنت اور مغفرت کے راستے پر چلنے کی دعوت دینا تھی، حضورؐ نے تاکید فرمائی ہے، اور بار بار فرمائی ہے کہ یسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا "دین کو آسان اور سہل بناؤ، تنگ اور مشکل نہیں اور لوگوں کو بشارت دے کر خوش کرو، تنگی پیدا کر کے متنفر نہ کرو"۔

چنانچہ، ہمیں یقین رکھنا چاہیے اور یہ بشارت قبول کرنا چاہیے کہ ہم جس امتحان میں ڈالے گئے ہیں، اس کا ناگزیر تقاضا یہی ہے کہ تربیت اور بالآخر دین پر چلنے اور جنت میں پہنچنے کی راہ، آسان راہ ہے۔

رحمت و عدل الٰہی کا تقاضا

اللہ تعالیٰ کی رحمت و عدل سے جہاں یہ بات بعید تھی کہ وہ ہم کو جنت کی دعوت دیتا --- وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ' اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے' (البقرہ ۲:۲۲۱)' وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ' اور اللہ تمھیں دارالسلام کی طرف دعوت دے رہا ہے' (یونس ۱۰:۲۵)--- اور ہم سے جنت کی طرف دوڑ لگانے کا مطالبہ بھی کرتا --- وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ' دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمھارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے' (آل عمران ۳:۱۳۳)--- اور ساتھ ہی اس راہ کو اتنا دشوار گزار بنا دیتا کہ چل نہ سکتے' وہاں یہ بات اور بعید تر تھی کہ وہ ہمیں امتحان میں ڈالتا' اور اس لیے اور اس طرح ڈالتا کہ ہم ناکام ہو جائیں۔ "کیا ایک ماں اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے" ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا۔ حضورؐ رو پڑے اور فرمایا' "نہیں' مگر لوگ اس کے سوا دوسرے خدا بنا لیتے ہیں!" خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا (النساء ۴:۱۴۷)

"آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکرگزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے"۔

تربیت کا کام شروع کرو تو اسی یقین کامل اور بھرپور اعتماد کے ساتھ شروع کرو' کہ راستہ آسان ہے' اللہ نے تمھیں ناکام ہونے کے لیے اس امتحان میں ہرگز نہیں ڈالا ہے' نہ وہ تم کو ناکام ہوتا دیکھنا چاہتا ہے' نہ تمھیں عذاب دے کر اسے کچھ ملے گا۔ یہ یقین بھی کہ تم سے جو مطالبہ ہے' خاص ہو یا عام' جس آزمایش میں ڈالے جاؤ' تمھیں وہ سب کچھ دیا گیا ہے جس سے تم وہ مطالبہ پورا کر سکو' اور اس آزمایش سے کامیاب نکل سکو۔

آسانی کے پہلو: فطرت انسانی سے مطابقت

آسانی کے پہلو بے شمار ہیں۔ ہم تین پہلوؤں کی طرف توجہ دلائیں گے۔ جن کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی' تمھاری فطرت ایسی بنائی ہے' کہ اس کو بالطبع نیکی محبوب اور مطلوب ہے' وہ اسے اچھی اور خوبصورت لگتی ہے' وہ اس کے مزاج سے سازگار ہے' وہ اس کے لیے جانی پہچانی چیز ہے۔ انسان کتنا ہی برا اور بدکار ہو' وہ پھر بھی سچائی' ہمدردی' حسن اخلاق' عدل' دیانت' امانت اور وفائے عہد جیسی چیزوں کی تعریف کرے گا۔ ہر انسان بے گناہ قتل' ظلم و زیادتی' بدزبانی' حسد جیسی چیزوں کو ناپسند کرے گا۔ جب تم نیکی کرتے ہو تو تمھارا دل خوش ہوتا ہے' تمھیں اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جب تم برائی کرتے ہو تو تمھارے دل میں خلش ہوتی ہے' اس کو زنگ لگ جاتا ہے' تم اپنی نگاہوں میں گر جاتے

ہو۔ رسول اللہؐ نے ایک صحابیؓ کو نیکی اور برائی کی تعریف انھی الفاظ میں بتائی۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ قرار دیا ہے جس پر اس نے سارے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

چنانچہ نیکی اور حسن عمل کی راہ تو سیدھی اور آسان ہے مگر اس لیے مشکل ہو جاتی ہے کہ ہم خود اپنے کو ٹیڑھا میڑھا بنا لیتے ہیں۔ ایک گول سوراخ میں اگر ٹیڑھی میڑھی چیز اندر نہیں جا سکتی تو قصور سوراخ کا نہیں۔ اگر چٹان پر فصل نہیں لہلہاتی تو قصور بارش کا نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے قلب و فطرت کو سلیم بنالیں تو الیسریٰ پر چلنا ہمارے لیے آسان ہو گا۔ اسی لیے قرآن مجید نے بڑے بلیغ اور معنی خیز انداز میں یہ فرمایا ہے کہ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی 'ہم انسان کو آسان کر دیتے ہیں' الیسریٰ پر چلنے کے لیے' (لفظی ترجمہ یہی ہے) یہ نہیں کہ ہم الیسریٰ کو آسان کر دیتے ہیں' انسان کے لیے"۔ قلب کو سلیم بنانے کا نسخہ بھی بڑا آسان ہے' جو ہم اپنے مقام پر بتائیں گے۔

دوسری آسانی: ساری زندگی تربیت گاہ ہے

آسانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی اور ساری کائنات کو تربیت گاہ بنا دیا ہے۔ چند تربیتی امور لازم ضرور کیے گئے ہیں' مثلاً نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج--- لیکن دراصل تو زندگی میں پیش آنے والا ہر واقعہ' ہر حادثہ' دل پر گزرنے والی ہر واردات' ہر کیفیت' ہر نعمت' ہر مصیبت' ہر نیکی' ہر بدی' آسمان و زمین اور ان کے اندر ہر مخلوق جس سے انسان کو سابقہ پیش آئے' اس کے لیے مربی بنا دی گئی ہے' بشرطیکہ وہ اس مربی کو پہچانتا ہو اور اس سے تربیت حاصل کرنے کے لیے آمادہ اور مستعد ہو۔ جو لوگ ان ہمہ وقت اور ہمہ جگہ مربیوں سے درس لیتے رہتے ہیں' انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ 'یہ ہیں جو کھڑے' بیٹھے' لیٹے اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ 'عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۵۳)۔

جو کتاب وحی' کتاب فطرت اور کتاب زندگی پڑھتا ہو' اور ان سے تربیت حاصل کرتا ہو' وہ فی الواقع پھر کسی تربیتی کورس کا محتاج نہیں رہتا' اگرچہ واجب اور نفل تربیتی کورس' اللہ نے بتائے ہوں یا ہم نے خود وضع کیے ہوں' تمھارے مددگار و معاون ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح معنوں میں اسی وقت موثر ہوتے ہیں جب وہ تمھیں ساری زندگی کو تربیت گاہ بنانے کے مقام پر پہنچانے میں مدد کریں۔

ذرا غور کرو: ہر نیکی جو تم کرو وہ تمھاری تربیت کا ذریعہ ہے۔ تم اسے نیکی سمجھو' نیکی کے طور پر اس کی محبت دل میں بٹھاؤ' اس کی توفیق پر اللہ کا شکر ادا کرو' اس کے اجر کی امید اور توقع رکھو' اس سے مسرت اور لذت حاصل کرو' اور اس سے اللہ کے وجہ کریم کے نور کو طلب کرو۔ اور نیکی کا دائرہ تو وسیع ہے: روزی کمانا بھی نیکی ہے' اپنے اوپر خرچ کرنا بھی نیکی ہے' اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے' اپنے کاروبار کے

فروغ پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے' پودا لگانا بھی نیکی ہے' اس کا پھل خود تم کھاؤ' پرندے اور جانور کھائیں' چوری ہو جائے' وہ بھی تمھارے حساب میں نیکی ہے' بیوی سے جنسی تعلق قائم کرو' وہ بھی نیکی ہے۔ ہر نیکی تمھاری مربی بن سکتی ہے۔

گناہ سب سے بڑھ کر مایوسی کا سبب بنتا ہے' لیکن ہر گناہ تمھارا بڑا موثر مربی بھی بن سکتا ہے۔ تم یہ احساس پیدا کرو کہ گناہ ہوا' دل کو ٹوٹنے پھوٹنے اور آنکھوں کو بہنے دو' دل کو ندامت اور شرمندگی سے بھر لو' یقین رکھو کہ اب اللہ کے سوا کوئی اس گناہ کے نتائج بد سے نہیں بچا سکتا' اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا دو' سر جھکا دو' آنسو بہاؤ۔۔۔ تم دیکھو گے کہ کتنی تربیت گاہ کا سامان اس گناہ میں ہے۔ میں گناہ کی ترغیب نہیں دے رہا' گناہ سے نفرت اور اجتناب کی ہر ممکن کوشش ضروری ہے' لیکن یہ بھی حکمت تخلیق ہے کہ انسان کو گناہ سے مفر نہیں۔ دل میں گناہ کی خواہش اٹھے اور تم خدا کے خوف سے رک جاؤ' یہ بہت بڑی نیکی ہے' جتنی زبردست خواہش' جتنے بڑے گناہ کے لیے ہو' اتنی ہی بڑی نیکی ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى - فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى 'اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا' جنت اس کا ٹھکانا ہوگی (النزعت ۷۹:۴۰-۴۱)۔

یہی معاملہ نعمتوں کا ہے۔ ہر نعمت' تربیت کا ذریعہ ہے۔ وہ نعمتیں بھی جو عام ہیں۔ مثلاً ہر سانس' کھانے کا ہر لقمہ' پانی کا ہر گھونٹ' ہر لمحہ جسم کی حفاظت' رزق' نعمتیں اور وہ بھی جو تمھارے لیے خاص ہیں۔ دینے والے کو یاد کرو' اس کے شکر سے دل کو بھر لو' اس کو اپنے علم اور ہاتھ کا کرشمہ نہ سمجھو' نہ کسی مخلوق کی دین' دل و جان سے الحمدللہ کہو' پھر دیکھو کہ کتنے اخلاقی و روحانی امراض کا علاج چٹکی بجانے میں ہو جاتا ہے۔ "شکر کرو گے تو اللہ اور دے گا..... اور دے گا"۔ اگر یہ شکر نیکی کی توفیق کی نعمت پر ہو' تو خود ہی سوچو کہ کتنی نیکیاں اور..... اور ملیں گی اور تربیت کتنی آسان اور تیز ہوگی۔

یہی معاملہ مصیبت کا ہے۔ ہر مصیبت تربیت کا ذریعہ ہے۔ پھر یاد کرو کہ یہ کس کی طرف سے ہے۔ اس کی طرف سے جس کے اذن کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا۔ وہ جو رحمٰن اور رحیم ہے' تمھارا بدخواہ نہیں' خیرخواہ ہے۔ پھر صبر کرو۔ صبر تو ساری تربیت کی شاہ کلید ہے۔ یہ مصیبتیں نہ پڑیں' تو یہ نعمت عظمیٰ تمھیں کیوں کر حاصل ہو۔

تیسری آسانی: اختیار اور بس میں ہے

آسانی کے تیسرے پہلو کو یوں دیکھو' کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عدل سے' یہ بات بعید ہے کہ وہ تمھیں ایسا حکم دیں جس کو بجا لانے کی تم میں سکت نہ ہو' یا تمھیں ایسے امتحان و آزمایش میں ڈالیں جس میں پورا اترنے کی تم میں طاقت نہ ہو۔ یہ امتحان کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ اس سبق کا امتحان کیسے ہو سکتا ہے جو پڑھایا ہی نہ گیا ہو' اس ناکامی پر مواخذہ یا سزا کیسے نصیب ہو سکتی ہے جو ایسے کام میں ہو' جو اختیار اور بس

سے باہر ہو۔

چنانچہ بنیادی اصول بیان کر کے یہ ... اہم سنت الٰہی واضح کر دی گئی، اس سورۃ البقرہ کے اختتام پر جو کلیات و قوانین دین کی جامع ہے۔ فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ ۲:۲۸۶)

اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے۔

یہ اصول متعدد مقامات پر واضح کیا گیا ہے: جبر و اکراہ کے عالم میں زبان سے کلمہ کفر کہنا پڑے، مگر دل ایمان پر مطمئن ہو، تو کوئی گناہ نہیں، کوئی مواخذہ نہیں۔ بھول چوک کے گناہ معاف ہیں، کہ وہ اختیار سے باہر ہیں۔ دل میں آنے والے تمام وسوس اور گناہ کی تمام خواہشات معاف ہیں، کہ ان پر اختیار نہیں۔ بلکہ اگر گناہ کی خواہش پیدا ہوئی، اور پھر آدمی اسے کرنے سے رک گیا، تو نیکی کے اجر کی بشارت ہے۔ دل کی کیفیات اور ان کے اتار چڑھاؤ پر بھی کوئی مواخذہ نہیں، کہ وہ بھی بس میں نہیں۔ قیام لیل کی فرضیت دائرہ اسلام وسیع ہوتے ہی اس لیے ختم کر دی گئی کہ "اللہ نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے، سو تم پر معافی بھیج دی۔ اب پڑھو جتنا قرآن آسانی سے ہو سکے"۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت نازل فرمائی کہ "اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ، اللہ سے تقویٰ کرو جیسا کہ اس سے تقویٰ کرنے کا حق ہے"۔ صحابہ کرام کانپ گئے، رو پڑے۔ کس کے بس میں ہے کہ اللہ سے تقویٰ کا حق ادا کر سکے! چنانچہ تشریح فرمائی گئی کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، (اللہ سے تقویٰ کرو، جتنا بس میں ہے) تقویٰ کرنا سیکھنا ہی تو ایک لحاظ سے تربیت کا حاصل ہے۔ چنانچہ ہم بہ آسانی کہہ سکتے ہیں کہ "اپنا تزکیہ کرو، اپنی تربیت کرو، جتنی تمھاری استطاعت ہو، جتنی کر سکو"۔ اس سے زیادہ تربیت کا مطالبہ نہیں، اس سے زیادہ تربیت جنت حاصل کرنے کے لیے لازم نہیں کی گئی۔ نبی کریمؐ جب اطاعت و جہاد کی بیعت لیا کرتے تھے، تو خاص طور پر "بحد استطاعت" کے الفاظ کا اضافہ ضرور فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ جن فرائض کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے، یا جن چیزوں کو اس نے حرام کیا ہے، ان کو بجا لانا یا ان سے رک جانا بالکل تمھارے بس میں ہے، یہ کبھی اختیار سے باہر نہیں ہو سکتا۔ وہ عبادات و جہاد ہوں، کھانے پینے کی اشیا ہوں، اموال ہوں، یا اخلاق و معاملات کے دائرے میں ہوں، مثلاً ایفائے عہد، عدل، احسان، صلہ رحمی وغیرہ یا حسد، تجسس، بدظنی، غیبت وغیرہ۔ اگر تم اطاعت نہیں کر پاتے، تو یا تو تمھارے نفس نے مجاہدہ، ریاضت اور محنت سے بچنے کی خاطر کوئی عذر لنگ تراش رکھا ہے، یا تم واقعی مجبور ہو۔ ان تمام معاملات میں نہ کسی مفتی کا فتویٰ کام آئے گا، نہ کسی انسان کو مطمئن کر دینے سے دامن چھوٹ جائے گا۔ سوچنا یہی چاہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو، جو عالم الغیب والشہادہ ہے، تم اپنے عذر سے مطمئن کر سکو گے۔ اگر

مجبوری حقیقی ہو گی، تو وہ اللہ کے ہاں قبول ہو گی۔ نہ تم سے مواخذہ ہو گا، نہ تربیت میں نقص آئے گا۔ اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہو تو کوئی فتویٰ اور کوئی انسان تمھارا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ دیگر معاملات میں جو اوامر اور منہیات میں سے نہیں، یہ سوچ اور کردار تمھارے لیے راہ کو آسان کرے گی۔

چنانچہ تربیت کی راہ پر اس یقین کے ساتھ آگے بڑھو کہ کوئی ایسی چیز تمھاری جنت کی راہ کھوٹی نہیں کر سکتی، اور اس کو نہیں کرنا چاہیے، یا کوئی ایسی چیز جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری نہیں ہو سکتی، اور اسے نہیں ہونا چاہیے، جو تمھاری استطاعت اور اختیار سے باہر ہو۔ یہ یقین تمھاری تربیت کی راہ کی ان بے شمار دشواریوں کو آسان کر دے گا، اور ان گوناگوں فتنوں کا ازالہ کر دے گا، جن کا شکوہ اس راہ کے سالکین کثرت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔

اختیاری اور غیر اختیاری

اس معاملے میں اصل اصول یہ ہے کہ معاملہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ تم اکثر کہتے ہو میں فلاں چیز پر قابو نہیں کر سکتا، فلاں حکم نہیں بجا لا سکتا، فلاں ناجائز چیز کو ترک نہیں کر سکتا۔ تم یہ دیکھو کہ ایسا کرنا تمھارے اختیار میں ہے یا نہیں۔ اگر یہ اللہ کا حکم ہے، تو وہ یقیناً تمھارے اختیار اور بس میں ہے۔ اس لیے کہ، جیسا ہم واضح کر چکے ہیں، اللہ نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو تمھاری استطاعت میں نہ ہو۔ احکام الٰہی کے علاوہ، جو معاملہ اختیار سے باہر ہو، اس کی بے جا فکر نہ کرو، اس کی وجہ سے کسی فتنے میں نہ پڑو، اس کی وجہ سے جو کچھ نیکی کر رہے ہو، اسے بھی نہ چھوڑ بیٹھو، نہ اپنی راہ کھوٹی کرو۔

راہ زن فتنہ اور مغالطے

تربیت کے راستے کا سب سے بڑا فتنہ، مایوسی اور ترک سعی و عمل کا فتنہ ہے۔

دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اللہ اور رسولؐ کے بارے میں بھی ہوتے ہیں، ان کی تعلیمات کے بارے میں بھی۔ گناہوں کی خواہشات بھی جوش مارتی ہیں۔ حالات سے اور انسانوں سے مایوسی کا وسوسہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ مگر دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں، یہ تمھارے اختیار میں نہیں۔ ان خیالات کو نکال باہر کرنا بھی تمھارے اختیار میں نہیں۔ ان پر تمھارا کوئی مواخذہ نہیں۔ ان سے جنت کا نقصان نہیں ہوتا۔ پھر تم کیوں پریشان ہو اور کیوں ہمت ہارنے لگو۔ برے خیالات آنے کے راستے بند کرنے اور اچھے خیالات کو دل میں لانے کی کوشش کرنا، بس اتنا ہی تمھارا اختیار ہے۔ اتنا ہی کرنے کو کافی سمجھو۔

تم عزم کرتے ہو اور وہ عزم ٹوٹ جاتا ہے۔ بار بار کرتے ہو، اور بار بار ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسا عزم جو کبھی نہ ٹوٹے، ایسا ارادہ جو کبھی شکستہ نہ ہو، یہ بھی تمھارے اختیار میں نہیں دیا گیا۔ بلکہ عزم و ارادے کی ناپختگی، تمھارے امتحان کی خاطر، حکمت الٰہی نے تمھاری طبیعت میں ودیعت کی ہے۔ اس کی وجہ سے بھی نہ مواخذہ

ہے، نہ جنت کا نقصان۔

سب سے مشکل معاملہ گناہوں کا ہے، جن کا تعلق عزم کی ناپختگی سے بھی ہے۔ گناہ ہوتے ہیں اور بار بار ہوتے ہیں۔ بار بار توبہ کرنے کے بعد بھی بار بار ہوتے ہیں۔ جانتے بوجھتے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور پھر بھی خواہش نفس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ گناہوں سے بھی حوصلہ ہارنے اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ بھی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ گناہ بالکل نہ کرے، یا بار بار نہ کرے، یا توبہ نہ ٹوٹے۔ یہ تو فرشتوں اور انبیا کا مقام ہے۔ گناہ کا ہونا تو اس اختیار اور آزادی کا ناگزیر تقاضا ہے جو اللہ نے تمھیں جنت حاصل کرنے کے لیے دی ہے۔ اگر تم گناہوں کے اس سلسلے کو بند کر سکتے تو اللہ دوسری مخلوق پیدا کرتا، جو گناہ کرتی اور اس سے مغفرت کی طلب گار ہوتی۔ اسی لیے ہر جگہ جنت کی دعوت کے ساتھ اس سے پہلے مغفرت کی دعوت دی گئی ہے۔

دل میں غلط کیفیات بھی مایوس کرتی ہیں۔ مطلوب کیفیات حاصل نہ ہو سکیں تو بھی مایوسی ہونے لگتی ہے۔ کیفیات میں اتار چڑھاؤ بھی پریشان کرتا ہے۔ لیکن دل کی کیفیات پر بھی تمھیں اختیار نہیں بخشا گیا ہے، صرف عمل پر بخشا گیا ہے۔ محبت، خوف، خشوع وغیرہ محبوب ہونا چاہییں، ان کے حصول کے لیے وہ تدابیر بھی اختیار کرنا چاہییں جن کو اختیار کرنا تمھارے بس میں ہے۔ لیکن یہ کیفیات کس قدر پیدا ہوتی ہیں، اور کتنی پایدار ہوتی ہیں، اس پر تمھارا کوئی حساب نہ ہو گا، نہ اس کی وجہ سے جنت کا نقصان۔ پھر مایوسی و پریشانی کیوں؟ اس کو بھی ختم کر دو۔

کمال کی طلب ہوتی ہے لیکن کمال بھی تمھارے اختیار میں نہیں، بلکہ یہ تمھارے مقام انسانی کے منافی ہو گا کہ تمھیں کمال حاصل ہو جائے۔ اس بے سود تلاش کو بھی ترک کر دو۔ یہ کہ دوسروں میں نقائص دیکھ کر بھی تم مایوس ہونے لگتے ہو، اور خود اپنی تربیت سے دست بردار ہو جاتے ہو، اس سے بڑھ کر نادانی کیا ہو گی۔ دوسروں کو نیک بنانے کا اختیار بھی تمھیں نہیں دیا گیا ہے۔ نہ کسی دوسرے کا بوجھ تم اٹھاؤ گے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو، اپنی راہ چلتے رہو۔ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا کام کرتے رہو۔

اچھی طرح یاد رکھو

بس جنت کو مقصود بنا کر اپنی تربیت کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد، پہلی اہم بات یہی ہے: اچھی طرح یاد رکھو کہ تربیت کا راستہ، دین اور ہدایت کا راستہ، جنت کا راستہ آسان ہے اور بالکل تمھارے اختیار اور بس میں ہے۔ یہ مشکل اس لیے بن جاتا ہے کہ تم اسے مشکل بنا لیتے ہو، خود اس کے لیے مشکل بن جاتے ہو۔ اس بات کو یاد رکھو گے، حوصلے بلند رہیں گے، اعتماد سے کام کرو گے، امید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے گا، اللہ کی مدد ہمیشہ تمھارے شامل حال ہو گی۔

(جاری)   [ترتیب و تدوین: خرم مراد]

آسان حساب

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! میرے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے خوفناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ من یعمل سوءیجزی بہ۔ جو شخص کوئی برائی کرے گا' اس کی سزا پائے گا۔

اس پر حضورؐ نے فرمایا:

عائشہ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع فرمان بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے' حتی کہ اگر کوئی کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ اسے اس کے کسی نہ کسی قصور کی سزا قرار دے کر دنیا میں ہی اس کا حساب صاف کر دیتا ہے۔ آخرت میں تو جس سے بھی محاسبہ ہو گا وہ سزا پاکر رہے گا۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا:

پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے کہ فامامن اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا؟ جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔

حضورؐ نے جواب دیا:

اس سے مراد ہے پیشی' (یعنی اس کی بھلائیوں کے ساتھ اس کی برائیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ضرور ہوں گی) مگر جس سے باز پرس ہوئی وہ تو بس سمجھ لو کہ مارا گیا۔

(ابو داؤد۔ تفہیم القرآن ج ۲ ص ۴۵۴)

(بندہ خدا)

سفر میں ازواج مطہراتؓ کی رفاقت

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرت نبویؐ کا ایک اہم باب اور دلآویز مرقع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار بابرکت کا مطالعہ ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی دور حیات میں تبلیغی' مذہبی اور فوجی اغراض و مقاصد سے بہت سے اسفار کیے' جن کو عام طور سے اصطلاحی معنوں میں "غزوات" کہا جاتا ہے۔ کم فہمی اور لاعلمی کے سبب ان غزوات نبویؐ کو محض "فوجی مہمات" ہی سمجھ لیا گیا ہے اور ان میں خالص دینی اور مذہبی سفروں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ جیسے عمرۂ حدیبیہ' عمرۃ القضاء اور حج ابوبکر صدیقؓ اور حجۃ الوداع بھی ہماری کتب سیرت میں خاص کر قدیم مصادر اور اصلی ماخذ میں بطور غزوات ہی شمار کیے جاتے ہیں۔ البتہ جدید مطالعات میں سے بعض نے ان میں "غزوات و سرایا" کی مقصدی نوعیت کا کسی حد تک تجزیہ ضرور کیا ہے۔

انھی اصطلاحی غزوات نبویؐ یا اسفار نبویؐ کا ایک خوبصورت پہلو اور دلنشیں زاویہ یہ ہے کہ ان میں سے متعدد مواقع پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی شریک مصاحبت ہوئیں اور بعض مواقع پر دوسری صحابیات نے بطور مجاہدات شرکت و معیت کا شرف پایا اور خاص مواقع یا بحرانی صورتوں میں انھوں نے اپنی موجودگی اور حاضری سے مجاہدین اور ان کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں پر پھاہا رکھا اور مرہم ہمدردی و دوائے تسلی کا نسخہ شفا استعمال کیا۔ اصلی مصادر و ماخذ اور ثانوی کتب سیرت و سوانح میں ان تمام حسین و جمیل پہلوؤں کی طرف اشارے یا بعض حالات میں تفصیلات ضرور دستیاب ہیں۔ لیکن ان کو یکجا کر کے سیرت طیبہ کی اس محبت آگیں سنت کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اس مختصر مقالہ کا اصل ہدف تحریر یہ ہے کہ اسفار نبویؐ میں ازواج مطہراتؓ کی شرکت کی تفصیلات کو جمع کر کے اس باب سیرت کو مکمل کیا جائے۔

ابھی تک غزوۂ بدر میں ازواج مطہرات کی شرکت و شمولیت کی کوئی روایت نہیں مل سکی ہے۔ اور نہ غزوۂ بدر سے قبل کے غزوات میں' ان کی شرکت کا کوئی ثبوت یا قرینہ ہاتھ آیا ہے۔ بعض شاذ روایات میں ابتدائی غزوات کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ بہرحال پہلا غزوہ جس میں امہات المومنینؓ اور بعض دوسری

صحابیاتؓ کی شرکت کا ثبوت ملا ہے وہ غزوہ احد ہے اور وہ بھی اصل غزوہ میں نہیں بلکہ مسلمانوں کی شکست اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیلنے کی بحرانی حالت کی صورت میں۔

واقدی اور دوسرے سیرت نگاروں کے مطابق اس ہولناک خبر کے سننے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحابیات کی ایک جماعت (نسوۃ) کے ساتھ خبر کی اصلیت کا پتا لگانے نکلیں اور وہ جب حرہ کے کنارے پر پہنچیں جو بنو حارثہ کی طرف سے وادی کے راستے پر تھا، تو ان کی ملاقات حضرت ہند بنت عمروؓ بن حرام سے ہوئی جو ایک اونٹ پر اپنے شوہر حضرت عمروؓ بن الجموح اور فرزند خلادؓ بن عمرو اور اپنے بھائی حضرت ابو جابرؓ عبداللہ بن عمرو بن حرام کی نعشیں لے جا رہی تھیں۔ ان سے رسول اللہؐ کی خیر و عافیت اور مسلمانوں کی شہادت کا علم ہوا۔ (واقدی، ص ۲۶۹)۔ کچھ آگے چل کر حضرت عائشہؓ اور ان کی ساتھی مجاہدات کی ملاقات حضرت السمیراءؓ بنت قیس بنو دینار سے ہوئی جن کے دو فرزندوں حضرات النعمانؓ بن عبد عمرو اور سلیمؓ بن حارث کی شہادت پر تعزیت کی اور رسول اللہؐ کی خیریت دریافت کی (ایضاً، ۲۹۲)۔ اس طرح وہ رسول اکرمؐ تک پہنچیں اور جب رسول اکرمؐ نے شہداء احد کی تدفین کرنے کے بعد جناب الٰہی میں دعائے مغفرت و عافیت کی تو آپؐ کے ساتھ چودہ عورتیں موجود تھیں جنھوں نے مردوں کی صف کے پیچھے صف بنا کر دعا میں شرکت کی۔ ان خواتین اسلام میں رسول اکرمؐ کی جگر گوشہ بتول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں، جنھوں نے میدان احد پہنچ کر اپنے والد گرامی قدر کے زخمی چہرے اور شکستہ بدن سے لپٹ کر تسلی و تشفی دی اور رسول اللہؐ کے زخموں کا علاج و مداوا کیا۔ ان کے اپنے اپنے زخم تھے لیکن رسول اللہؐ کی خیر و عافیت دیکھ کر ہر مصیبت ہلکی اور قابل برداشت بن گئی تھی کہ اصل حیات محفوظ و مامون تھی۔

غزوۂ بنی المصطلق یا مریسیع پہلا غزوہ ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی باقاعدہ شرکت کا پتا چلتا ہے۔ واقعہ افک کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ صریح بیان ملتا ہے کہ "رسول اللہؐ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں میں قرعہ ڈالتے تھے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا، اسے آپؐ اپنے ساتھ لے جاتے۔ جنگ بنو مصطلق کو جاتے وقت جب قرعہ ڈالا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام نکلا اور وہ آپؐ کے ساتھ اس غزوہ میں روانہ ہوئیں اور پورے غزوہ میں شریک رہیں اور مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے دوران وہ واقعہ افک پیش آیا، جس کا ہدف حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ذات بابرکات تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات مبارکہ کے ذریعے اس الزام سے بری کر دیا اور ان کی عفت و عصمت اور پاکیزگی و طہارت کی وہ گواہی دی جس کو تمام مسلمان تاقیام قیامت اپنی اپنی زبانوں سے دہراتے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طہارت کی تصدیق و تقدیس کرتے رہیں گے۔

احادیث میں صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شرکت غزوہ اور سفر نبویؐ میں معیت نبویؐ کی سعادت

حاصل کرنے کا ذکر ہے، لیکن اصحاب سیرت و سوانح نے خاص کر واقدی نے ایک دوسری زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہؓ کی شرکت سفر کا ذکر کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مریسیع کے چشمہ پر پہنچے تو آپؐ کے لیے چمڑے کا خیمہ لگایا گیا اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کی ازواج طاہراتؓ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ واقعہ افک کے بیان واقدی میں اس کا اضافہ ہے کہ رسول اکرمؐ پسند فرماتے تھے کہ سفر یا حضر میں حضرت عائشہؓ آپ سے جدا نہ ہوں۔ لہٰذا مریسیع کے غزوہ کا ارادہ جب آپؐ نے فرمایا تو ہمارے درمیان قرعہ اندازی کی اور اس میں میرا اور حضرت ام سلمہؓ کا تیر نکلا اور ہم دونوں آپ کے ساتھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو المصطلق کا مال اور جان بطور غنیمت عطا فرمایا اور پھر ہم واپس لوٹے۔ واپسی پر رسول اکرمؐ کی تیسری زوجہ مطہرہ حضرت جویریہؓ بنت الحارث خزاعی بھی ساتھ تھیں کہ رسول اکرمؐ نے غزوہ کے اختتام پر ان سے نکاح کر لیا تھا اور ان کو اپنی دونوں ازواج مطہرات کے ساتھ واپس مدینہ منورہ لائے تھے۔

شیخین کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کا ارادہ کیا اور آپؐ نے حسب معمول ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کی تو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں امہات المومنین کے اسماء گرامی نکلے۔ وہ دونوں اس سفر مبارک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم رکاب رہیں۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ جنگ خندق کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کے کام سے فارغ ہونے کے بعد جبل سلع کے مقام پر قیام فرمایا اور اپنے لیے ایک چرمی خیمہ لگوایا جو جبل احزاب کے زیریں حصہ کے پاس واقع مسجد اعلیٰ سے متصل تھا۔ رسول اکرمؐ نے دیگر ازواج مطہرات کو تو بنو حارثہ کی گڑھی میں بھیج دیا تھا، مگر آپؐ کی تین ازواج طاہرات باری باری سے آپؐ کے ساتھ قیام فرما ہوتی تھیں۔ چند روز حضرت عائشہؓ رہتیں، پھر ان کی جگہ حضرت ام سلمہؓ لیتی تھیں اور پھر حضرت زینبؓ بنت جحش آ جاتی تھیں۔ پورے زمانہ خندق کے دوران اسی طرح باری باری ان تینوں ازواج مطہرات کے ساتھ آپؐ قیام فرما رہے۔

اسی زمانے کا ایک واقعہ واقدی نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ رسول اللہؐ کے ساتھ تھیں اور کسی وقت آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھیں۔ حالانکہ وہ شدید سردی کا زمانہ تھا لیکن رسول اللہؐ بنفس نفیس خندق کی حفاظت و نگرانی فرماتے تھے، اور اپنے قبہ میں جتنی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا، نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر خیمہ سے باہر گئے اور زور سے فرمایا کہ آپؐ کی آواز حضرت ام سلمہؓ کے کانوں تک خیمہ میں بھی پہنچی کہ یہ مشرکوں کا شہسوار دستہ خندق کا چکر لگا رہا ہے۔ پھر رسول اللہؐ نے حضرت عبادؓ بن بشر اور ان کے محافظ دستوں

کو مشرک دستے کی حرکات و سکنات سے باخبر کیا اور جب مطمئن ہو گئے تو خیمہ میں آ کر سو گئے۔ حضرت ام سلمہؓ اس دوران جاگتی رہیں حتیٰ کہ فجر ہو گئی۔ (واقدی، ص ۴۶۳)۔ حضرت ام سلمہؓ نے اسی قیام کے دوران اپنا دوسرا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ میں آدھی رات رسول اکرمؐ کے قبہ میں موجود تھی اور آپؐ استراحت فرما رہے تھے کہ آواز ہنگام آئی۔ آپؐ نیند سے بیدار ہو کر خیمہ سے باہر گئے اور محافظوں سے اس شور کے بارے میں گفتگو کرنے لگے جس نے آپؐ کو جگا دیا تھا۔ حضرت عبادؓ کو آپؐ نے معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہؓ بھی قبہ کے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئیں اور ان کی باتیں سننے لگیں۔ اس رات مشرکوں نے کئی بار مسلم فوج پر حملہ کیا مگر ہر بار مار کھائی۔ حضرت ام سلمہؓ اس رات کی بات بعد میں بیان کر کے فرمایا کرتی تھیں کہ میں آپؐ کے ساتھ کئی غزوات میں شریک ہوئی جن میں جنگ اور خوف کا راج رہا لیکن ہمارے نزدیک خندق سے زیادہ اور کوئی موقع زیادہ تھکا دینے اور خوفزدہ کرنے والا نہیں تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نے اس ضمن میں جن غزوات میں شرکت کی تصریح کی ہے ان میں مریسیع، خیبر، حدیبیہ، فتح مکہ اور حنین کے غزوات کے نام شامل ہیں۔ (ایضاً، ص ۶۷-۴۶۶)

واقدی نے حضرت ام سلمہؓ کا تیسرا واقعہ اسی غزوہ کا یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ام عامرؓ بنو عبدالاشہل کی خاتون نے حیس نامی کھانا ایک بڑے پیالے میں رسول اللہؐ کے پاس بھیجا، جب آپؐ اپنے قبہ میں حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ قیام پذیر تھے، حضرت ام سلمہؓ نے پیٹ بھر کر کھایا پھر رسول اللہؐ اس پیالے کو قبہ سے باہر لے گئے اور آپؐ کے منادی کی آواز پر تمام موجود اہل خندق نے لبیک کہا اور اس دعوت نبویؐ سے پیٹ بھر مستفید ہوئے جبکہ معجزاتی طور سے پیالے کا کھانا پورا کا پورا موجود و باقی رہا۔ (ایضاً، ص ۴۷۶)

غزوۂ خندق کے دوران قیام حضرت عائشہؓ نے اپنا ایک واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ خندق کے ایک شگاف کی طرف برابر جاتے اور اس کی حفاظت فرماتے تھے۔ جب آپؐ کو ٹھنڈک تکلیف پہنچانے لگتی تو واپس آ جاتے اور حرارت پا کر آپؐ پھر اسی شگاف کی طرف چلے جاتے اور اس کی نگرانی کرتے اور فرماتے کہ "مجھے خدشہ ہے کہ لوگوں پر اس زاویہ سے حملہ ہو جائے"۔ (انھی دنوں) ایک سخت سرد رات آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "کاش آج کوئی مرد صالح حفاظت و نگہداشت کرتا"۔ فرماتی ہیں کہ جیسے ہی میں نے آپؐ کی بات سنی ویسے ہی لوہے کے بجنے اور ہتھیاروں کے کھڑکنے کی آواز آئی۔ آپؐ کے استفسار پر معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ زہری در دولت پر حاضر ہیں۔ آپؐ نے ان کو اس شگاف کی حفاظت کرنے کا حکم دیا اور آرام سے سو گئے۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میں اس رات کو ہمیشہ عزیز رکھتی ہوں۔ (واقدی، ص ۴۶۳)۔ بظاہر یہ واقعہ حضرت ام سلمہؓ کے قیام سے قبل کا معلوم ہوتا ہے اور خندق سے اپنی غیر حاضری کے دوران حضرت عائشہؓ نے بنو حارثہ کی گڑھی میں قیام کیا تھا

اور وہاں ایک بار حضرت سعدؓ بن معاذ کو ایک چھوٹی زرہ میں ملبوس دیکھ کر میدان جنگ کی طرف رواں دواں پایا تو ان کی والدہ ماجدہ سے کہا "کاش ان کی زرہ ان کے پورے جسم کو ڈھانک لیتی"۔ مگر قضائے الٰہی کہ اسی کے سبب وہ زخمی ہو گئے اور پھر شہادت پائی۔ (ایضاً، ص ۴۴۹)۔ حضرت زینبؓ بنت جحش کے قیام خندق کے مذکورہ بالا حوالہ کے سوا اور کوئی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔

دوسرے غزوات نبویؐ میں حضرت ام سلمہؓ کی شرکت سعادت کا جو حوالہ اوپر گزرا ہے، اس کے مطابق زوجہ محترمہ عمرہ حدیبیہ کے سفر مبارک میں رسول اکرمؐ کے ساتھ تھیں۔ واقدی نے اس کی توثیق کرتے ہوئے اضافہ کیا ہے کہ اس سفر سعادت میں رسول اکرمؐ کے ساتھ چار خواتین مدینہ منورہ شریک تھیں۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے علاوہ حضرت ام عمارہؓ حضرت ام منیعؓ اور حضرت ام عامرؓ (بنو عبد الاشہل) تھیں (ایضاً، ص ۵۷۴)۔ ان صحابیات عالیات نے عمرۂ حدیبیہ اور صلح حدیبیہ کے کئی واقعات بیان کیے ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت ام سلمہؓ یہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرمؐ جب حدیبیہ میں قیام پذیر ہو گئے تو آپؐ کی خدمت اقدس میں عمرو بن سالم اور بسر بن سفیان آپؐ کے دو خزاعی حلیفوں نے آپؐ کے لیے بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کا ہدیہ بھیجا۔ آپؐ نے ان کو دعائے برکت دی اور اونٹوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت اصحاب رسول اللہؐ کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے بھی ایک بکری کے گوشت سے تناول فرمایا۔

اسی عمرۂ حدیبیہ کے سفر مبارک کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے لکھے جانے کے بعد جب قریشی وفد کے اراکین چلے گئے، تو رسول اکرمؐ نے صحابہ کرام کو قربانی کرنے کا حکم دیا لیکن مارے صدمہ اور غم کے کسی نے بھی حکم نبویؐ پر اقدام نہیں کیا۔ رسول اکرمؐ سخت ناراضی کی حالت میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئے جو آپؐ کی شریک سفر تھیں اور لیٹ گئے۔ حضرت ام سلمہؓ کے بار بار استفسار پر بھی آپؐ نے جواب نہ دیا اور آخر کار سارا ماجرا سنایا تو حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ کو مشورہ دیا کہ آپؐ بنفس نفیس اپنی ہدی کی قربانی کریں، لوگ آپؐ کی اقتدا کریں گے۔ اور بالاخر ان کا کہا سچ ہوا کہ مسلمان آپؐ کو قربانی کرتے دیکھ کر اتنی تیزی سے اپنی ہدی کی طرف جھپٹے کہ ازدحام کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ دوسری صحابیات نے بھی بعض واقعات و سنن بیان کیے ہیں جب کہ حضرت ام سلمہؓ کا دوسرا بیان یہ ہے کہ انھوں نے اپنے بال کے کنارے اپنے ہاتھ سے کاٹ کر قصر کا فریضہ ادا کیا۔ (واقدی، ص ۶۱۳، بخاری)

آیت تیمم کے ضمن میں محدثین کرام کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ ایک سفر میں تشریف لے گئے اور اس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھیں۔ جب رسول اکرمؐ، صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیداء یا ذات الجیش نامی مقام پر پہنچے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہار ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس کی تلاش میں آپؐ نے پڑاؤ کر دیا۔ اس مقام کے ارد گرد پانی دستیاب نہ تھا اور لوگ بھی تہی دست تھے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کی شکایت حضرت

ابوبکرؓ سے کی اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس زجر و توبیخ کرنے پہنچے تو دیکھا کہ رسول اللہؐ ان کے زانوئے مبارک کو تکیہ بنائے سو رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹا اور تھوڑا مارا بھی لیکن حضرت عائشہؓ نے حرکت نہ کی کہ مبادا آپؐ کی آنکھ کھل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کے محبت آگیں سلوک اور خدمت نبویؐ کے اکرام میں تیمم کا حکم نازل فرمایا اور حضرت اسیدؓ بن حضیر نے برملا اس کا یوں اعتراف کیا کہ "اے آل ابوبکر! یہ تمھاری پہلی برکت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے۔ تمھارے باب میں جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں کے لیے باعث برکت بنا کر مسلمانوں کے لیے بچنے کی راہ نکال دی"۔ حسن اتفاق کہ جب کوچ ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا گمشدہ ہار اسی اونٹ کے نیچے مل گیا جس پر وہ سفر فرما تھیں۔ (الجامع الصحیح، باب مناقب ابی بکر اور سورۃ النساء)

سیرت نگاروں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ۷ھ میں غزوہ خیبر پہلا غزوہ تھا جس میں کافی تعداد میں صحابیات بطور مجاہدات شریک ہوئیں۔ بقول واقدی ان میں بیس خواتین شامل تھیں اور رسول اکرمؐ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ ان میں سے ایک تھیں (ایضاً، ۶۸۵)۔ اس غزوہ کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے غزوہ میں روانگی کا ارادہ کر لیا تو حضرت ام سنانؓ اسلمیہ نے آپؐ کے ساتھ شرکت کی اجازت مانگی اور آپؐ نے ان کو اجازت دیتے ہوئے حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ رہنے کی تاکید کی اور وہ ان ہی کے ساتھ رہیں اور ان ہی کے ساتھ مدینہ منورہ واپس بھی آئیں۔ (ایضاً، ص ۶۸۷)

اسی سفر سعادت میں رسول اکرمؐ کے ساتھ ان کی نئی اہلیہ حضرت صفیہؓ بنت حی بھی خیبر سے مدینہ تشریف لائیں کہ ان کا نکاح غزوہ خیبر کے خاتمہ پر آپؐ کے ساتھ ہو گیا تھا۔

اہل سیر و حدیث کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ نے غزوۂ خیبر میں بھی اور عمرۂ قضا کے "غزوہ" میں بھی ان تمام صحابہ کرام اور صحابیات عالیات کو لازمی طور سے شامل فرمایا، سوائے ان شہدائے کرام کے جنھوں نے غزوۂ خیبر میں سرفرازی پائی تھی۔ ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہؓ بھی اس میں شریک تھیں کہ وہ عمرۂ حدیبیہ کے سفر کی ایک محترم شریک تھیں۔ حالانکہ واقدی کے ایک گزشتہ حوالہ میں عمرۃ القضیہ کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ اور دوسری روایات حدیث و تاریخ میں بھی کسی ام المومنین کی شرکت کا حوالہ نہیں ملتا۔ البتہ ایک اہم واقعہ کا ذکر صریح ضرور ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسی سفر مبارک کے خاتمہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود حرم میں احرام کھولنے کے بعد اپنی آخری زوجہ ماجدہ حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالی سے نکاح کیا تھا اور مکہ مکرمہ کے کنارے مقام سرف پر ان کے ساتھ رات گزاری اور پھر ان کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے تھے۔

فتح مکہ کے عظیم الشان غزوہ اور اہم ترین سفر میں رسول اکرمؐ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کی

شرکت و ہم رکابی کا صریح ذکر کم ملتا ہے، لیکن کئی حوالے بتاتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ اس سفر نبویؐ میں بھی مصاحبت نبویؐ سے سرفراز ہوئی تھیں اور انھوں نے ہی نیق العقاب کے مقام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات ابوسفیانؓ بن حارث ہاشمی اور عبداللہؓ بن ابی امیہ مخزومی کی سفارش کی تھی اور ان کی توبہ قبول کر کے ان کو داخل اسلام کیا تھا۔(واقدی، ص ۸۱۰)۔ ظاہر ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ غزوۂ فتح مکہ کے علاوہ غزوات حنین و اوطاس و طائف میں بھی شریک تھیں۔ ان غزوات کے خاتمہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ کے مقام پر قیام فرما کر اموال غنیمت تقسیم کیے۔ حضرت ام سلمہؓ آپؐ کی معیت میں تھیں۔

فتح مکہ کے ضمن میں واقدی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ دوسری زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ بھی تھیں۔ اس کے مطابق حضرت ابو رافعؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حجون نامی مقام پر چرمی خیمہ لگایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قیام فرمایا اور آپؐ کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ بھی تھیں (واقدی، ص ۲۸)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت میمونہؓ بھی ان چاروں غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکاب تھیں۔ فتح مکہ کے غزوہ کے دوران حضرت ام سلمہؓ کی موجودگی اور کارکردگی کا ایک حوالہ واقدی نے مزید یہ دیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار گیسوؤں (ضفائر) کو ذوالُلیفہ کے مقام پر گوندھا تھا اور آپؐ نے ان کو فتح مکہ اور قیام مکہ تک نہیں کھولا اور جب حنین کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا تو ان کو کھولا اور حضرت ام سلمہؓ نے ان کو بیری کے پانی سے دھویا (ایضاً، ص ۸۶۸)۔

واقدی نے غزوۂ طائف کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب الایکہ میں قیام پذیر ہوئے تو آپؐ کی ازواج مطہرات میںؓ سے دو حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ ساتھ تھیں اور آپؐ نے ان دونوں کے لیے دو خیمے لگوائے اور پورے محاصرۂ طائف کے دوران ان دونوں خیموں کے درمیان نمازیں ادا کرتے رہے اور یہ پورا عرصہ اٹھارہ یا انیس دنوں پر محیط تھا۔ (ایضاً، ص ۹۲۶)

رسول اکرمؐ کے آخری عظیم غزوۂ تبوک میں شرکت و صحبت کی سعادت حضرت ام سلمہؓ کے نصیب میں آئی تھی۔ حضرت عرباضؓ بن ساریہ کا بیان ہے کہ سفر و حضر میں، رسول اکرمؐ کے دروازے کی دربانی کرتا تھا۔ ہم تبوک میں قیام پذیر تھے کہ ایک رات رسول اکرمؐ کے ساتھ ہم ضرورت سے گئے پھر منزل نبویؐ کی طرف واپس آئے۔ آپؐ اور آپؐ کے کچھ مہمان رات کا کھانا کھا چکے تو آپؐ خیمے میں داخل ہونے والے تھے اور آپؐ کے ساتھ، آپؐ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ تھیں کہ ہم تین آدمی ــــ عرباضؓ بن ساریہ، جعالؓ بن سراقہ اور عبداللہؓ بن مغفل مزنی ــــ بھوکے پہنچے اور آپؐ نے بڑی کدوکاوش کر کے ہمارے لیے

کھجوریں فراہم کیں اور معجزۂ نبویؐ کے سبب ان میں اتنی برکت ہوئی کہ ہم سیر ہو گئے مگر وہ باقی بچ رہیں (واقدی، ص ۱۰۳۶)۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں خاص کر نماز تہجد اور خطبہ وغیرہ کا بھی دلاویز بیان پیش کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری سفر مبارک کا عام و معروف نام حجتہ الوداع ہے۔ اس سفر خیر و برکت میں آپؐ کی تمام ازواج مطہرات جن کی تعداد اس وقت نو ہو چکی تھی، آپؐ کی معیت و صحبت میں تھیں۔ اہل سیر و حدیث کے صریح بیانات کے علاوہ کہ رسول اکرمؐ کی تمام ازواج عالیات اس سفر سعادت میں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ متعدد حوالوں اور اشاروں سے بھی ان کی شرکت و موجودگی ثابت ہوتی ہے اور کئی دلچسپ واقعات اور اہم سنن کا علم بھی ہوتا ہے۔ جو صرف ازواج مطہرات کے سبب ہم تک پہنچا ہے۔

روایات کے مطابق حجتہ الوداع میں تمام ازواج مطہرات کو خود رسول اکرمؐ نے ساتھ چلنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت جویریہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت میمونہؓ نے رسول اکرمؐ کے ساتھ حج اسلام ادا کیا۔ ابن سعد نے بطور خاص اس باب میں زیادہ تفصیلات فراہم کی ہیں (جلد ہشتم)۔ ان کے استاد و مربی واقدی کے مطابق آپؐ کی تمام ازواج نے آپؐ کے ساتھ ہوادج میں سفر کر کے حج کیا اور جب تمام ازواج مطہرات اور اصحاب کرامؓ جمع ہو گئے تو آپؐ مسجد ذوالحلیفہ میں داخل ہوئے، ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں، پھر ہدی کے جانوروں کے گلے میں قلادے ڈالے اور اشعار کیا اور سوار ہو کر بیداء پہنچے تو احرام باندھا۔ حضرت ام سلمہؓ کی سند پر ذوالحلیفہ پہنچے، وہاں رات گزارنے، ہدی کا اشعار و قلادہ ڈالنے اور احرام باندھنے کا ذکر دوسری روایت میں ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے احرام نبویؐ میں خوشبو لگائی اور خود بھی احرام باندھا اور معطر کیا۔ قاحہ نامی مقام پر جب پہنچے تو رسول اللہؐ نے حضرت عائشہؓ کے چہرے کی زردی (صفرہ) دیکھ کر فرمایا: اے شقیراء! تمھارا رنگ کتنا حسین ہے۔ آپؐ مکہ و مدینہ کے درمیان صرف دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے اور بحالت امن پڑھتے رہے اور مکہ پہنچ کر بھی وہ ہی رکعات ادا کرتے رہے اور سلام پھیر کر اہل مکہ کو نماز پوری کرنے کا حکم فرماتے کہ آپؐ مسافر تھے۔ حضرت عائشہؓ کو مقام سرف پہنچ کر ماہانہ تکلیف شروع ہو گئی جس کے سبب انھوں نے عمرہ ادا نہیں کیا اور اسے بعد میں تنعیم سے جا کر ادا کیا۔

پھر حضرت حفصہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ آپؐ نے لوگوں کو احرام کھولنے کا حکم دیا ہے لیکن خود اپنے عمرہ کا احرام نہیں کھولا۔ آپؐ نے فرمایا: "میں نے اپنے سر کو گوندھ لیا ہے۔ (لبدت) اور اپنی ہدی کو قلادہ ڈال دیا ہے اور اس کو قربان کیے بغیر احرام نہ کھولوں گا۔ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ محدثین کرام کے ہاں احرام کھولنے کے سلسلے میں حضرت حفصہؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا بھی ذکر

آتا ہے جنھوں نے احرام کھولنے کا سبب پوچھا تھا۔

اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ کی روایت و مشاہدہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے حج افراد کیا جو اہل مدینہ کا مسلک ہے کہ صحیح ترین ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ سنیچر کا دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملل نامی مقام پر گزارا، پھر روانہ ہو کر شرف ایسالہ شام کو پہنچے جہاں مغرب و عشا پڑھی پھر سیالہ اور روحاء نامی مقامات کے درمیان واقع عرق انطبیمہ نامی جگہ پر راستے کے داہنے جانب والی مسجد میں نماز صبح ادا کی۔ پھر آپؐ کو ایک نہدی شخص نے ایک حمار عقیر ہدیہ کیا، جس کو حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے حکم سے صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ خشکی کا شکار تمھارے لیے اس صورت میں حلال ہے جب دوسرے شکار کریں۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منصرف پہنچے، جہاں عصر، مغرب و عشا کی نمازیں پڑھیں اور رات کا کھانا کھایا۔ صبح کی نماز اثایہ میں پڑھی اور منگل کا دن عرج میں گزارا۔

حضرت عائشہؓ سے رسول اکرمؐ کی اپنی امت سے محبت و شیفتگی کا ایک عجیب واقعہ منقول ہے۔ فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے پاس آپؐ بہت غمزدہ تشریف لائے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے آج ایسا کام کیا ہے، کاش وہ نہ کیا ہوتا۔ میں بیت اللہ میں داخل ہوا مگر عین ممکن ہے کہ میری امت کا کوئی شخص اس میں داخل ہونے کی مقدرت نہ رکھے تو اپنے دل میں صدمہ اور تکلیف محسوس کرے۔ ہم کو طواف کا حکم دیا گیا ہے، داخلے کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر آپؐ نے کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ حضرت امام بخاری کے مطابق حضرت ام سلمہؓ کو رسول اکرمؐ نے ان کی بیماری کے سبب سواری پر لوگوں کے عقب میں بیت اللہ کے طواف کی اجازت دی۔ حضرت عائشہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ جمعہ یوم ترویہ تھا اور آپؐ نے لوگوں کو منیٰ پہنچ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور خود بھی زوال کے بعد منیٰ پہنچے اور ظہر و عصر، مغرب و عشا اور صبح کی نمازیں وہاں پڑھیں اور دارالامارہ نامی مقام پر قیام پذیر ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے لیے سایہ دار جھونپڑا (کنیف) بنانے کی اجازت چاہی لیکن آپؐ نے منع کر دیا۔ محدثین کے مطابق حضرت عائشہؓ ابھی تک اپنی نسوانی تکلیف سے پاک نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے آپؐ نے ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا اور پھر حج کا احرام بندھوایا کہ وہ عرفہ کی رات تھی۔

ایک دوسری روایت کے مطابق منیٰ سے طلوع آفتاب کے بعد آپؐ نے عرفہ کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں پہنچ کر نمرہ پر قیام کیا جس کے لیے ایک بالوں کا خیمہ لگایا گیا اور کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے ایک چٹان کی اوٹ میں قیلولہ کیا اور آپؐ کی اہلیہ محترمہ حضرت میمونہؓ اسی کے سایے میں لیٹی رہیں جبکہ دوسری ازواج طاہرات ارد گرد لگے ہوئے قبول یا خیمہ میں محو استراحت تھیں۔

واقدی اور محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ حضرت سودہؓ بنت ربیعہ نے مزدلفہ سے منیٰ جانے اور رمی جمار

کرنے کی اجازت لوگوں کے ازدحام ہونے سے پہلے مانگ لی کیونکہ وہ اپنے بھاری بدن کی وجہ سے تیز نہیں چل پاتی تھیں۔ آپؐ نے ان کو اس کی اجازت خاص عطا فرمائی اور دوسری ازواج کو روکے رکھا تاآنکہ صبح سویرے اپنے ساتھ ان کو جانے دیا۔ دوسرے دن بھیڑ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کو افسوس ہوا کہ خود انھوں نے اس اجازت نبویؐ سے کیوں فائدہ نہ اٹھایا تاکہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے بچی رہتیں۔ حضرت عمرانؓ بن ابی انس کی ماں کی روایت ہے کہ ام المومنین سودہؓ کے ساتھ انھوں نے رسول اکرمؐ کے حج کے دوران فجر سے قبل ہی رمی جمار کر لیا تھا جبکہ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق رسول اکرمؐ نے ان کو ازواج مطہرات کے ساتھ بھیجا تھا اور انھوں نے فجر کے ساتھ ہی رمی جمار کیا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے ایک دلچسپ و دلاویز روایت یہ بیان کی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ نے حلق کیا اور کچھ نے قصر لیکن رسول اکرمؐ نے حلق فرمایا اور خود لوگوں میں اپنے موئے مبارک تقسیم فرمائے جو بہت سے لوگوں کے نصیب میں آئے۔ پھر آپؐ نے بقیہ دفن کرا دیے اور سب کے لیے دعا کی، حلق کرنے والوں کے لیے تین بار اور قصر کرانے والوں کے لیے چوتھی بار میں صرف ایک مرتبہ۔ ایک روایت کے مطابق رسول اکرمؐ نے یوم نحر (قربانی کے دن) واپسی (افاضہ) فرمایا اور ایک ضعیف روایت کے مطابق یوم نحر کی رات ہی کو اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ واپسی کی جبکہ صحابہ کرامؓ دن کو واپس ہوئے۔ روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ کی ازواج مطہرات رات ہونے کے ساتھ ہی رمی کرتی تھیں۔ احرام اتارنے کے بعد حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے خوشبو لگائی۔ آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی اور کچھ گوشت ان کے پاس بھیجا۔ منیٰ ہی سے حضرت عائشہؓ نے آکر طواف کعبہ کیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق منیٰ سے واپسی کے دن (یوم الصدر) ظہرین ابطح میں پڑھیں اور حضرت ابو رافعؓ کے بقول انھوں نے رسول اکرمؐ کے حکم سے تلاش منزل کی، ابطح میں آپؐ کا خیمہ لگایا جس میں آکر آپ فروکش ہوئے لیکن حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ آپؐ نے وادی محصب میں قیام فرمایا جو روانگی کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ راویوں کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی میں حضرت عائشہؓ کو قضا عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا جو انھوں نے تنعیم سے جا کر کیا۔ مدینہ کی طرف واپسی میں بطحاء مبارکہ میں قیام کے وقت اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: "یہ حج ہوا" پھر گھروں میں قیام کا زمانہ آئے گا"۔ آپؐ کے اس ارشاد کے سبب حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت سودہؓ بنت زمعہ حج نہیں کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ رسول اکرمؐ کے بعد کوئی سواری ہم کو حرکت نہیں دے سکتی لیکن بقیہ ازواج برابر حج کرتی رہیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد رسول اکرمؐ نے اپنی وفات (۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ / ۸ جون ۶۳۲ء) تک

مزید کوئی سفر نہیں کیا لیکن روایات میں خاص کر احادیث میں آپؐ کے متعدد اسفار کا بلاتصریح بیان آتا ہے جو آپؐ نے ہجرت اور حجتہ الوداع کے درمیانی عرصہ میں کیے تھے۔ ان اسفار کی منازل کا تو پتہ چلتا ہے لیکن ان کی زمانی تحدید و تصریح صرف قرائن و قیاس پر کی جا سکتی ہے۔ بعض حضرات نے روایات کا بھی سہارا لیا ہے۔ ان غیر متعین اسفار نبویؐ میں بھی عام اصول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کی ازواج مطہرات ساتھ ہوتی تھیں اور بعض میں ان کی واضح تصریح بھی ملتی ہے۔

تجزیاتی خلاصہ

غزوات و اسفار نبویؐ اور ان میں ازواج مطہرات کی شرکت باسعادت کے مفصل اور گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ بالعموم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی نہ کسی کو ضرور اپنے ساتھ رفیق سفر بنا کر لے جاتے تھے اور انتخاب قرعہ اندازی کے منصفانہ طریقے سے فرماتے تھے۔ مکی زندگی میں بیشتر حصہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزرا مگر ان کے شریک سفر ہونے کا اب تک کوئی ثبوت دستیاب نہیں ہوا۔ اس کے آخری حصہ میں اگرچہ دوسری اہلیہ محترمہ حضرت سودہؓ خانہ نبویؐ کی زینت بن چکی تھیں۔ تاہم ان کے سفر میں رفیق بننے کا بھی کوئی حوالہ نہیں مل سکا۔ مدنی زندگی میں ۴ھ/۶۲۶ء یا ۵ھ/۶۲۷ء باختلاف محدثین کرام و مورخین عظام غزوۂ مریسیع تک کسی بھی اہلیہ محترمہ کے رفاقت سفر کا ذکر نہیں آتا حالانکہ اس وقت تک حضرت سودہؓ کے علاوہ چار مزید ازواج طاہرات حضرت حفصہؓ (۳ھ)، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ہلالی (۴ھ)، حضرت ام سلمہؓ (۴ھ) اور حضرت زینبؓ بن جحش اسدی (۴ھ یا ۵ھ) آپؐ کے حبالہ نکاح میں آ چکی تھیں۔ مدنی دور کے بقیہ پانچ سالہ زمانے میں چار ازواج مطہرات حضرت جویریہؓ بنت حارث خزاعی (۴ھ/۵ھ بعد غزوۂ مریسیع) حضرت ام حبیبہؓ اموی (۷ھ) حضرت صفیہؓ بنت حی نضری (۷ھ) اور حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالی (۷ھ/۸ھ) آپؐ کے عقد مبارک میں آئیں۔ آخری پانچ سالہ دور کے تمام بڑے غزوات اور اہم اسفار میں ان میں سے کسی نہ کسی کی شرکت کا پتا چلتا ہے لیکن کئی غزوات اور متعدد اسفار میں ان کی رفاقت نبویؐ کا واضح ثبوت نہیں ملتا۔

اس ضمن میں ایک اہم نکتہ یہ نظر آتا ہے کہ متعدد غزوات و اسفار میں رسول اکرمؐ کی دو تین ازواج مطہرات رفیق سفر تھیں جیسے غزوہ مریسیع میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ ساتھ گئی تھیں، جبکہ غزوۂ خندق کے دوران تین ازواج مطہرات میں مذکورہ بالا ازواج کے علاوہ حضرت زینبؓ بنت جحش تیسری رفیق غزوہ تھیں۔ غزوۂ فتح مکہ، حنین، طائف و اوطاس میں کم از کم، تین ازواج طاہرات کی شرکت کا ذکر ملتا ہے اور حسن اتفاق سے ان میں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ کے ساتھ حضرت میمونہؓ شامل و شریک تھیں۔ اگرچہ حضرت عائشہؓ کا اپنا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہمیشہ ساتھ رکھنا پسند فرماتے

تھے اور سفر و حضر دونوں میں جدائی پسند نہیں کرتے تھے۔ تاہم غزوئہ مریسیع میں حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ اور ایک دوسرے سفر نامعلوم میں حضرت حفصہؓ کے ساتھ ان کی رفاقت و معیت کا ذکر مل سکا ہے اور بقیہ کسی غزوہ یا سفر میں ان کا ذکر خیر نہیں آتا۔ اس باب خاص میں دراصل حضرت عائشہؓ کا بیان حضرت ام سلمہؓ پر صادق آتا ہے جو تمام ازواج مطہرات میں اس لحاظ سے ممتاز نظر آتی ہیں کہ انھوں نے سب سے زیادہ غزوات میں رفاقت نبویؐ کا حق ادا کیا تھا۔ ان میں مریسیع کے علاوہ غزوات صلح حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضا، فتح مکہ، حنین، اوطاس، طائف اور تبوک شامل تھے۔ پھر وہ تمام دوسری ازواج عالیات کے ساتھ حجتہ الوداع کے سفر سعادت میں بھی برابر کی شریک و سہیم تھیں۔ حضرت سودہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کی شرکت کا ذکر بس اس آخری سفر نبویؐ کے ضمن میں ملتا ہے۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ہلالی کے کسی سفر میں شرکت کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ صحبت نبویؐ سے محض دو تین ماہ ہی مستفید ہو سکیں۔

تین غزوات و اسفار سے واپسی پر نئی ازواج مطہرات رفاقت نبویؐ سے بہرہ ور ہوئیں جیسے غزوئہ مریسیع کی واپسی پر حضرت جویریہؓ شریک سفر تھیں تو غزوۂ خیبر کے بعد حضرت صفیہؓ عمرۃ القضاء کے خاتمہ پر حضرت میمونہؓ نئی شریک و رفیق سفر تھیں۔

مکی دور کی حالت طیبہ میں ازواج مطہرات بالخصوص حضرت خدیجہؓ کی عدم شرکت کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہی نہیں کیے اور کیے بھی تو بعثت سے قبل تجارتی سفر جن میں زوجہ عالیہ کی شرکت و معیت ضروری نہ تھی۔ یہی بات حضرت سودہؓ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ آپؐ نے اس زمانے میں سفر ہی نہیں کیے۔ ابتدائی دور مدنی کے غزوات و اسفار میں ازواج مطہرات کی عدم شرکت کے دو امکانات ہیں: اول یہ کہ خطرات کی شدت کے سبب آپؐ نے ان کو لے جانا مناسب نہ سمجھا ہو اور دوسرے دور میں غزوۂ خندق کے بعد خطرات کی شدت کے کم ہو جانے کی بنا پر ان کو شریک سفر کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ ازواج مطہرات کی شرکت تو رہی مگر مورخین و راویان کرام ان کا ذکر نہ کر سکے ہوں۔

جہاں تک اسفار و غزوات نبویؐ میں ازواج مطہرات کی شرکت کے نتائج و فوائد کا تعلق ہے تو اول بات یہ ہے کہ رفیق زندگی کا رفیق سفر ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ خاص کر طویل مدت کے اسفار میں۔ دوسرے یہ کہ ان کی شرکت سے متعدد سنتوں، احکام شرعی اور لطائف زندگی کا علم ہوتا ہے جن سے زندگی زیست کے لائق، معتبر اور سعادت دارین کی حامل بنتی ہے اور یہی سب سے عظیم فائدہ ہے۔ (ماخوذ "تحقیقات اسلامی" علی گڑھ، نومبر ۹۵)

اسلام کا بین الاقوامی قانون ---- ایک تقابلی جائزہ

محمود احمد غازی

جب ہم اسلام کے قانون بین الممالک کا دنیا کے دیگر بین الاقوامی قوانین سے تقابلی مطالعہ اور موازنہ کرتے ہیں تو کئی ایسے پہلو واضح طور پر سامنے آتے ہیں جن کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا بین الاقوامی قانون اپنے اندر چند ایسے اہم خصائص اور امتیازی اوصاف رکھتا ہے جو اس کے علاوہ کسی اور قانون میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن کسی بھی بامعنی تقابلی مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے دنیا کے بڑے بڑے قوانین میں بین الاقوامی قانون کے احکام و تصورات کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے تاکہ اس کی بنیاد پر ایک تقابلی خاکہ تیار کیا جا سکے۔

جب سے اس روئے زمین پر انسانی معاشرہ موجود ہے، معاشرتی آداب اور ریاستی قوانین بھی موجود ہیں۔ جس طرح ایک فرد انفرادی حیثیت سے زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ دوسروں سے مل جل کر ہی رہتا ہے اور سب سے میل جول رکھ کر اور لین دین کر کے ہی پرسکون زندگی گزارتا ہے اور اس طرح دوسرے انسانوں کے ساتھ مختلف نوعیت کے کام کاج اور کاروبار میں شامل ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں کا کوئی گروہ یا جماعت بھی تنہا، دوسری جماعتوں سے کٹ کر، زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ جب سے انسانوں میں معاشرے اور قبائل موجود ہیں اور جب سے انسانوں نے اپنی تاریخ کو محفوظ کرنا سیکھا ہے اسی وقت سے معاشروں، ریاستوں، مملکتوں، بادشاہتوں کی تاریخ بھی موجود ہے اور اسی وقت سے بین الاقوامی میل جول کے اصول یعنی قانون کی تاریخ بھی موجود ہے۔ اس سلسلے میں کسی بھی قوم کا یہ دعویٰ سو فیصد درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں قوانین کا آغاز سب سے پہلے اس کے ہاں سے ہوا۔ یونانیوں کا بیان ہے کہ بین الاقوامی قوانین کا تصور اور اس کے اصول و ضوابط سب سے پہلے ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ہمارے پڑوس میں ہندو مصنفین کا دعویٰ ہے کہ بین الاقوامی قوانین نے ان کے ہاں سے جنم لیا۔ یہ دونوں دعوے اپنی اپنی جگہ جزوی طور پر درست ہو سکتے ہیں، لیکن اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ کس قوم نے کب، کس انداز سے، کن مراحل سے گزر کر اور کن بنیادی تصورات کو سامنے رکھ کر بین

الاقوامی قوانین کو جنم دیا اور کس طرح ایک منضبط قانون بین الممالک نے ان کے ہاں وجود پایا۔

انسانوں نے سب سے پہلے قبائل کی سطح پر منظم ہونا سیکھا۔ ایک زمانہ تھا کہ دنیا کے ہر علاقے میں بین الاقوامی تشخص قبیلے سے وابستہ ہوتا تھا، اور ایک شخص کی عالمی پہچان اس کے قبیلے کے حوالے سے ہوتی تھی۔ جزیرہ عرب میں اور یونان میں قبائل کا وجود تاریخ کی ایک معلوم و معروف حقیقت ہے۔ یورپ کے دوسرے ممالک میں، وسطی ایشیا میں، گوبی کے ریگستان میں، افریقہ کے جنگلات میں، غرض ان سب علاقوں میں قبائل ہی کی صورت میں انسان نے اول اول اپنے آپ کو منظم کیا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان قبائل نے سیاسی تنظیموں کی شکل اختیار کر لی، سربراہ قبیلہ کو ریاستی سربراہ کے اختیارات حاصل ہو گئے۔ ایک قبیلے کا لین دین دوسرے قبیلے کے ساتھ ہونے لگا، ایک قبیلے کی جنگ دوسرے قبیلے کے ساتھ ہونے لگی، یہ مسائل جب سامنے آئے تو ان کو حل کیے جانے سے نظائر نے جنم لیا اور نظائر نے آگے چل کر قانون کا روپ دھار لیا۔ پھر رفتہ رفتہ ان قوانین کو وقتاً فوقتاً مختلف مفکرین نے مدون کیا۔

جب قبائل نے مختلف مقامات پر مستقل طور پر بس کر مختلف آبادیوں کی شکل اختیار کرنا شروع کی تو شہری مملکتیں وجود میں آئیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دنیا میں تہذیب و سیاسیات کے الفاظ جس مادہ اور جس ماخذ سے لیے گئے وہ سب کے سب شہریت اور شہر کے معنی رکھتے ہیں۔ عربی زبان میں مدینہ، شہر کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسی سے لفظ تمدن نکلا ہے۔ پولیس (polis) یونانی اور رومی زبانوں میں شہروں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پولیٹیکل سائنس اور polity اسی سے ماخوذ ہے۔ لفظ civilization بھی یہی معنی دیتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ قبائل نے شہری ریاستوں کی اور شہری ریاستوں نے تمدن کی شکل اختیار کی۔ اور بالآخر بڑے بڑے تمدنوں نے اور بڑی بڑی تہذیبوں نے ایسی سلطنتیں قائم کیں جن کا تذکرہ آج تاریخ میں ملتا ہے۔

لیکن یہ سوال اپنی جگہ بدستور موجود ہے کہ سب سے پہلے کس قوم نے کب بین الاقوامی قوانین مرتب کیے۔ یہاں یہ سوال نہیں ہے کہ بین الاقوامی قوانین کے بارے میں جو کتابیں آج موجود ہیں ان میں سے قدیم ترین کتاب کون سی ہے۔ یہ ایک مختلف سوال ہے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ دنیا کی قدیم ترین کتابوں میں بھی چاہے وہ مہابھارت یا رامائن جیسی قدیم منظومات ہوں یا وید اور منوسمرتی جیسی قدیم مذہبی قانون کی کتابیں، یا ایلیڈ (Eliad) جیسی قدیم رزمیات ہوں، ارسطو اور افلاطون کی تحریریں ہوں یا جسٹینین کا کوڈ ہو، ان تمام قدیم کتابوں میں بین الاقوامی تعلقات سے متعلق کچھ ہدایات بلاشبہ موجود ہیں، ان میں سے کس کو قدیم کہا جائے اور کس کو جدید قرار دیا جائے؟ یہ فیصلہ بڑا دشوار ہے۔ لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر علاقے میں قانون دانوں نے اور بین الاقوامی تعلقات منضبط کرنے والوں نے جب ان معاملات

پر غور کرنا شروع کیا تو انھوں نے بھی ان نظائر کو اور بین الاقوامی طور طریقوں کو قانون کی زبان اور اسی کے قواعد و اسلوب پر مرتب کیا۔ آج بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں کا ایک قدیم ماخذ ایک قدیم کتاب ' ارتھ شاستر ہے جو ارسطو کے ایک معاصر چانکیہ کی مرتب کی ہوئی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو چندر گپت موریا کا وزیر تھا جو ہندستان میں سکندر اعظم کا معاصر حکمران گزرا ہے۔ اس نے اس کتاب میں بین الاقوامی تعلقات اور معاملات کے بارے میں اپنے تجربات' مشورے اور خیالات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اسی طرح رامائن اور مہابھارت میں جو بڑی بڑی جنگوں کی داستانیں ہیں' اور رستم و سہراب کے واقعات میں بھی جس کو فردوسی نے اپنے شہرہ آفاق شاہنامے میں مرتب کیا ہے' جابجا وہ ہدایات و قوانین ملتے ہیں جنھوں نے متحارب قوتوں کے درمیان حالت جنگ میں تعلقات کو بہتر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں بین الاقوامی قوانین اور بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود انسانی تمدن کی تاریخ ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے ان تمام تصورات کا جائزہ لیں تو چند چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ان تمام قوانین میں (جن کو اگر قانون کہنا درست ہو) قانون' اخلاق' معاشرتی ہدایات' قصے' کہانیاں' ادب' شاعری' سب کچھ اس طرح ملا جلا ہے کہ ان کتابوں کو قانون کی کتابیں کہنا بڑا دشوار ہے۔ البتہ قانون کے ماخذ کے طور پر ان کو ضرور قبول کیا جا سکتا ہے۔ ان کتابوں میں بین الاقوامی تعلقات کے جو قوانین بیان کیے گئے ہیں ان کی بنیاد کم و بیش بلااستثنا اس تصور پر ہے کہ یہ قوانین جس قوم کے ہیں' اس قوم کو دیگر اقوام پر ایک نسلی' فطری اور جبلی برتری حاصل ہے۔ ہندوؤں کے ہاں اگر رامائن اور مہابھارت تاریخ ساز کتابیں ہیں تو اس کے ساتھ یہ تصور بھی ہے کہ آریا نسل دنیائے انسانیت پر ایسی برتری رکھتی ہے کہ دنیا کا کوئی انسان اس کی برابری کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں میں چار ذاتیں ہیں جو ان کے ہاں نسلی برتری پر مبنی نظام کے نمایندہ طبقات ہیں۔ سب سے اعلیٰ طبقہ آریائی نسل کی باقیات ہے جو ہزاروں سال سے ہندستان پر حکومت کر رہا ہے۔ برہمن نسل کی برتری' ہندو نظام اور ہندو معاشرے کے رگ و پے میں شامل ہے۔ ہندو نظام' خواہ دور قدیم کا نظام ہو' یا دور جدید کا' اس کی اساس برہمن طبقہ کی بالادستی پر ہے۔ اور اسی طبقہ کے سیاسی کنٹرول کے سہارے بھارت کا نظام چل رہا ہے۔ یہی حال یونانیوں کے ہاں ہے۔ یونان کا سب سے بڑا فلسفی جس کی عظمت کے سامنے پوری دنیا نے سر تسلیم خم کیا' جس کو مسلمانوں نے انتہائی غیر جانبداری اور وسعت صدر سے عقلیات کا معلم اول تسلیم کیا' یعنی ارسطاطالیس' اس نے اپنی کتاب سیاسیات میں جو اساس قائم کی ہے' وہ یہ ہے کہ غیر یونانیوں کو قدرت نے غلام رہنے اور بننے کے لیے پیدا کیا ہے۔

یہ تصور کہ ہمارے علاوہ تمام انسان دوسرے درجے کے ہیں' ہندوؤں یا یونانیوں کے ہاں ہی نہیں ہے'

بلکہ یہ مستعمرانہ تصور دنیا کی کئی قوموں میں رائج رہا ہے۔ یورپ میں یونانیوں کے بعد اسے رومن ایمپائر نے بھی اپنایا۔ جب رومن ایمپائر کے قوانین مرتب کیے جا رہے تھے اور بین الاقوامی اصول و ضوابط کو منظم کیا جا رہا تھا تو انھوں نے پوری نسل انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کیا: ایک رومن دوسرے غیر رومن۔ غیر رومنوں کو انھوں نے غیر مہذب قرار دیا اور ان کے لیے ایک نیا قانون مرتب کیا۔ یہ نیا قانون جس کا انطباق دنیا کی تمام غیر رومن اقوام پر ہوتا تھا' وہی قانون ہے جس کو آگے چل کر انھوں نے Droit des Gens یعنی قانون اقوام کا نام دیا۔ یہی وہ قانون ہے جس کی بنیادوں سے اور جس کی کوکھ سے یورپ کے موجودہ بین الاقوامی قانون نے جنم لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں بڑے عرصے تک بین الاقوامی قانون کو فرانسیسی زبان میں قوموں کا قانون' یعنی Droit de Gens اور انگریزی زبان میں Law of Nations کہا جاتا رہا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے علاوہ دنیا کی تمام اقوام اور قومیں ہم سے کم تر مقام رکھتی ہیں' ان کے لیے قانون علیحدہ ہوگا' اور ہمارے اپنے معاملات کو نمٹانے کے لیے' یا بالفاظ دیگر ہم جیسے برتر لوگوں کے لیے' قانون الگ ہوگا۔ چنانچہ رومیوں نے دو الگ الگ قانون وضع کیے۔ یہ قانون جسے وہ قانون اقوام کے نام سے یاد کرتے تھے' دراصل غیر رومیوں اور "غیر مہذب" کے لیے بنایا گیا تھا اور اسی کی بنیاد پر آج کا بین الاقوامی قانون مرتب ہوا ہے۔ لہٰذا اس قانون کی جنم گھٹی میں "غیر مہذب" لوگوں کو دوسرے درجے کا انسان سمجھنا پڑا ہوا ہے۔

سب سے پہلا بین الاقوامی سیاسی یونٹ جو بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں قائم ہوا' وہ شہری ریاستیں تھیں۔ یورپ کے مفکرین کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ وہ جب کسی بھی چیز کی تاریخ کو ترتیب دیتے ہیں یا کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کا آغاز بھی یورپ سے ہوتا ہے اور انجام بھی یورپ پر۔ بیشتر مغربی اہل فکر کو یورپ سے باہر نہ دنیا نظر آتی ہے نہ علم و فکر نظر آتا ہے' نہ کسی انسان کا کوئی علمی و عقلی کارنامہ نظر آتا ہے۔ یہی حال بین الاقوامی قانون کے میدان میں بھی ہے۔ وہ بین الاقوامی قانون کا آغاز یونان کی شہری ریاستوں سے کرتے ہیں' جہاں درجنوں شہری ریاستیں اور ان کے علاوہ چھوٹی بڑی' مختلف نظاموں کے تحت چلنے والی ریاستیں موجود تھیں۔ ان کے درمیان سفارتی تعلقات بھی تھے' ان کے درمیان دوسرے مراسم بھی تھے۔ ایک طویل عرصہ' جس کی طوالت کا اندازہ کئی سو سال لگایا جاتا ہے' اس حال میں گزرا کہ ان کے درمیان تعلقات کو منضبط طور پر قائم کرنے کے لیے کوئی ضابطہ یا قانون موجود نہ تھا۔ پھر وہاں کے فلسفیوں اور دانش وروں نے Jus Gentium کے نام سے قوانین مرتب کیے۔ یہ قوانین جن کا کچھ مدون حصہ آج بھی پایا جاتا ہے' بین الاقوامی قانون کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان قوانین میں جو بات واضح طور پر ملتی ہے اور آج بھی مغربی قانون دان اس کو بلا تامل دنیا کے سامنے پیش کرتے

ہیں' وہ یہ ہے کہ یہ قوانین یونانیوں کے آپس کے تعلقات اور میل جول کو مرتب کرنے کے لیے ہیں۔ یہ "غیر مہذب" لوگوں اور غیر یونانیوں کے لیے نہیں ہیں۔

یہ بعینہ وہی بات ہے جو ہندستان کے برہمنوں اور ہندوؤں میں نظر آتی ہے' گویا صرف یونانیوں کے ہاں ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام اقوام میں دو طرح کے قانون ہوتے تھے: بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں ایک نظام قانون تو وہ جو اپنوں کے لیے ہے اور دوسرا قانون وہ جو دوسروں کے لیے ہے۔ اور یہ دوسرا قانون دراصل کوئی باقاعدہ قانون نہ ہوتا تھا بلکہ اس کا صرف ایک اصول تھا' اور وہ یہ کہ ہماری پسند و ناپسند کی بنیاد پر جو معاملہ دوسروں کے ساتھ طے کیا جائے' وہ قانون ہے۔ چنانچہ اس لا آف نیشنز میں بھی جو طے شدہ اصول اور قوانین دیے گئے وہ صرف یونانیوں کے باہمی میل جول کے لیے ہیں۔ یونانیوں کے علاوہ خود یونان میں جو غیر یونانی تھے' مثلاً غلام کہ ان کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی' ان کے ہاں اسی سلسلے میں کوئی طے شدہ قانون نہ تھا۔ یونانی غلاموں کے علاوہ دیگر اقوام سے تعلقات کی نوعیت کیا ہو گی؟ ان تعلقات کی کیا بنیاد ہو گی؟ اس سلسلے میں سوائے ان کی ذاتی پسند و ناپسند کے کوئی طے شدہ عقلی بنیاد ہی نہ تھی۔ اس سلسلے میں ان کے قوانین تمام تر صوابدیدی تھے۔

یونانیوں کا دور ختم ہوا اور رومیوں کا دور شروع ہوا اور بہت جلد وہ سلطنت قائم ہوئی جس کا تاریخ میں عظیم رومن ایمپائر کے نام سے ذکر ملتا ہے۔ جس کے مختلف ارتقائی ادوار بیان کیے گئے ہیں۔ عظیم رومن ایمپائر' هولی رومن ایمپائر' دور متوسط کی رومن ایمپائر وغیرہ۔ یہ ساری کی ساری ریاستیں ایک ہی تصور پر قائم ہیں' اور یہ تصور آج تک مغرب کے نظام بین الاقوام میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ رومن ایک بالادست قوم ہے جس کو تمام دنیا پر حکومت کرنے اور تمام دنیا کو غلام بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ یہ بات محض کسی فلسفی یا مفکر کے ذہن میں ہی نہیں تھی' بلکہ اسے واضح طور پر الفاظ کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ بار بار بیان کیا گیا ہے کہ رومن قوم کرہ ارض کی مالک ہے اور روم سے باہر کی اقوام ان کی مملوکہ قومیں ہیں اور غلام ہیں' ان سے ہر طرح کا معاملہ کرنے کا رومیوں کو اسی طرح اختیار ہے جس طرح ان کے ہاں آقا کو غلام سے ہر طرح کا معاملہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے قانون آزاد انسانوں کے لیے ہوتا ہے اور حقوق آزاد انسانوں کے ہوتے ہیں۔ جو غلام ہوتا ہے اس کے لیے نہ قانون ہوتا ہے' نہ مراعات ہوتی ہیں' نہ حقوق ہوتے ہیں۔ اس لیے عظیم رومن قانون ہو یا دور جدید کا قانون بین الاقوام ہو' اس میں ایشیا اور افریقہ کے غلاموں کے لیے طے شدہ قوانین کا کوئی تصور موجود نہیں۔ یہ تمام چیزیں ماضی میں بھی تھیں اور آج بھی ہیں۔

لیکن یہ ایک بڑی عجیب بات ہے کہ رومن ایمپائر میں جس چیز کو آگے چل کر بین الاقوامی قانون کہا گیا

ہے، یہ وہ چیز تھی جس کے ذریعے یورپ کے مختلف ممالک کے تعلقات کو ترتیب دیا جاتا تھا۔ جو سلطنتیں یا ریاستیں یورپ کے مختلف علاقوں میں پوپ کے ماتحت قائم ہوئیں وہ سب کی سب پوپ کی مذہبی برتری اور اعلیٰ سیاسی قیادت کو تسلیم کرتی ہیں اور حاکم اعلیٰ کی حیثیت پاپائے اعظم کو حاصل تھی، حالانکہ ان ریاستوں کے اس قانون کو بین الاقوامی قانون کہنے کی بجائے رومن ایمپائر کا میونسپل لا (Municipal Law) کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک ہی سلطنت کے اندر پائی جانے والی مختلف اقوام کے مابین تعلقات کو منضبط کرتا تھا، آزاد اور خود مختار ممالک یا مختار ممالک یا اقوام کے تعلقات کو نہیں۔ اس کی زیادہ سے زیادہ حیثیت ایک دستوری قانون بلکہ انتظامی قانون کی ہو سکتی ہے۔ یہ بات کئی مغربی مصنفین نے بھی تسلیم کی ہے کہ اس قانون کو صحیح معنوں میں بین الاقوامی قانون قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس کا اطلاق صرف رومن سلطنت کے اندر پائے جانے والی مختلف اقوام پر ہوتا تھا۔

جب رومن ایمپائر نے مسیحیت کا علمبردار ہونا قبول کیا اور مسیحیت کی اس بگڑی ہوئی شکل کو، جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہ تھا، اپنا کر ان عقائد و تعلیمات کا دامن تھام لیا جو سینٹ پال کے ذہن کی پیداوار تھیں، تو انھوں نے ایک نیا نظام اور ایک نیا قانون مرتب کرنے کی کوشش کی، جو قدیم رومن ایمپائر کے تصورات سے ماخوذ تھا۔ لیکن یہاں ایک چیز بڑی نمایاں ہے جس کا نوٹس مغربی مصنفین نے بھی لیا ہے۔ اور یہ اتنی واضح ہے کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ مقدس (Holy) رومن ایمپائر جو عیسائیت کی اساس پر قائم ہوئی، جو ایک مذہبی ریاست تھی، جس میں اقتدار اعلیٰ پاپائے اعظم کو حاصل تھا، جس میں مذہبی قیادت کے ساتھ ساتھ سیاسی قیادت بھی پوپ کو حاصل تھی، جس میں سارے سیاسی و مذہبی حکمران پوپ کے سامنے جوابدہ تھے، جس میں بادشاہوں کے اختلافات پوپ طے کیا کرتے تھے، وہاں توقع کی جاتی تھی کہ بین الاقوامی قانون جو بھی بنایا جائے وہ مسیحی تصورات و تعلیمات کی بنیاد پر بنایا جائے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تعلیمات سے مستفاد ہو، جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ کم از کم وہ قانون اناجیل اربعہ پر مبنی ہو جو ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مقدس رومن ایمپائر میں جو قوانین مرتب کیے گئے اور خاص طور پر وہ قانون بین الاقوام جو پاپائے اعظم کی زیر سرپرستی ترتیب دیا گیا، وہ دراصل پوپ ہی کے فیصلوں پر مبنی تھا، جس پر ڈیڑھ ہزار سال تک یورپ کی مسیحی ریاستیں عمل کرتی رہیں۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا شائبہ تک موجود نہ تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں، جو ان کے مشہور پہاڑی کا وعظ کی صورت میں موجود ہیں، میں کہا گیا ہے کہ اگر تمھارے کوئی ایک تھپڑ مارے تو تم اس کے سامنے دوسرا گال بھی پیش کر دو اور اگر کوئی تمھاری چادر چھیننا چاہے تو تم قمیض بھی اتار کر اس کے حوالے کر دو۔ ان تعلیمات کا فطری تقاضا تو

یہ تھا کہ قانون جنگ مرتب کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ ایسی قوم میں خادمین اور مخدومین کے حقوق کا سوال بھی پیدا نہ ہونا چاہیے تھا اور نہ جنگی قیدیوں کے حقوق کی بات ہونی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ ان تعلیمات پر عمل کرنے کے نتیجے میں نہ جنگ کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ خادمین و مخدومین کا اور نہ جنگی قیدیوں کا۔

لیکن پوری مسیحی دنیا نے اپنے اجتماعی طرز عمل سے حضرت عیسیٰؑ کی اس تعلیم کو جو آج بھی ان کے بیان اور دعاوی کے مطابق حضرت عیسیٰؑ ہی کی تعلیم ہے، ناقابل عمل قرار دے دیا اور ایسا قانون ترتیب دیا جو قدیم یونانیوں اور رومیوں سے ماخوذ ہے، جن کے ورثہ سے آج اہل یورپ لاتعلقی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم تو یہ تھی کہ میری بادشاہت اس موجودہ دنیا کے لیے نہیں ہے، بلکہ آنے والی دنیا کے لیے ہے۔ لیکن عیسائیت کی بنیاد پر اس دنیا میں بادشاہتیں قائم کی گئیں اور ان بادشاہوں نے وہ سارے مظالم روا رکھے جو دنیا کے ظالم بادشاہوں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے ترک دنیا کی تعلیم دی۔ حضرت عیسیٰؑ نے رحمت و رافت کی تعلیم دی۔ لیکن رومن حکمرانوں نے داخلی یا خارجی کسی بھی معاملے میں کسی ایک جگہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی ان تعلیمات کو قبول نہ کیا۔ یہودیوں کے بارے میں جو رویہ رومن حکمرانوں نے روا رکھا وہ یہ تھا کہ لاکھوں یہودیوں کو ذبح کر دیا گیا، محض اس جرم میں کہ عیسائی حکمرانوں کی رائے میں انھوں نے خدا کشی کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ چنانچہ اس جرم کی سزا ان یہودیوں کو بھی موت کی صورت میں دی گئی جو حضرت عیسیٰ کے سینکڑوں سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ اس انسانی قتل عام کے جرم کے ارتکاب کے وقت عیسائی دنیا کو حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات یاد نہ آئیں۔

یہ ہیں بین الاقوامی تعلقات کے وہ اساسی امور جن پر آج بھی مغرب کے قانون بین الاقوام کی بنیاد ہے۔ یہ قوانین ایک ہزار سال تک یورپ میں جاری رہے۔ اسلام کے آغاز کے ساتھ ہی یورپ میں ان قوانین کا آغاز ہوا اور اٹھارویں صدی کے اوائل تک ان قوانین پر یورپ میں عمل ہوتا رہا۔ یہی وہ قانون تھے جن کو بعد میں ہیوگو گروشیس نے، جس کو مغرب میں بین الاقوامی قانون کا باوا آدم کہا جاتا ہے، یورپ میں مرتب کیا۔ گروشیس کی وفات سترہویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ اس پوری مدت میں کسی غیر یورپی غیر مسیحی کا کسی غیر انسانی سلوک سے بچنے کے لیے ان قوانین سے مستفید ہونا یا ان قوانین میں دیے ہوئے حقوق و مراعات کا مطالبہ کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ خود گروشیس نے ان قوانین کی کامیابی کی جو چار شرائط بتائی ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ قوم جس پر اس قانون بین الاقوام کے احکام منطبق ہوں، وہ کوئی "مہذب" یورپی مسیحی قوم ہو۔ اس صورتِ حال میں دوسروں کی اوقات پہلے ہی معلوم تھی۔ اگرچہ اسی دور میں عیسائی دنیا سے بہتر دنیائیں روئے زمین پر موجود تھیں، عیسائی معاشرے سے بہت بہتر معاشرے پائے

جاتے تھے، جہاں تہذیب و تمدن کے بہترین مراکز قائم تھے، لیکن مسیحی دنیا کے تعصب نے عیسائی دنیا کو اس طرف دیکھنے کا موقع ہی نہ دیا۔

جب سلطنت عثمانیہ نے مشرقی یورپ کے بیشتر حصے کو فتح کر لیا اور ایک ایک کر کے یورپی سلطنتوں کو زیر کر لیا تو یورپی طاقتوں نے ۱۸۵۶ میں ایک معاہدے کے تحت سلطنت عثمانیہ کو یہ حق دیا کہ وہ اس مغربی بلکہ مسیحی بین الاقوامی قانون کے تحت حقوق و مراعات کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ پھر جب ۱۸۹۵ میں جاپان نے چین کو اور ۱۹۰۵ میں روس کو شکست دی تو پھر جاپان کو بھی ۱۹۰۵ میں بین الاقوامی قوانین سے مستفید ہونے والے ملک کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود یورپ کے علمی حلقوں میں اور خصوصاً مذہبی لوگوں میں یہ بحث جاری رہی کہ کیا کسی دیگر قوم کو بین الاقوامی تعلقات کے ضابطہ قانون سے استفادے کا حق ہے بھی یا نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ کی جانشینی کا دعویٰ کرنے والے یورپ میں دو مرتبہ پوپ نکولاس چہارم اور اوربان ششم نے یہ ڈگری جاری کی کہ کسی دیگر قوم سے اس قسم کا معاہدہ کرنا کہ وہ بین الاقوامی قوانین سے استفادہ کر سکے، جائز نہیں اور اگر ایسا معاہدہ کر بھی لیا جائے تو اس کی پابندی کرنا عیسائی دنیا کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور اگر ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے تو کوشش کی جائے کہ اس معاہدے پر کماحقہ عمل نہ کیا جائے۔ یہ وہ ڈگری تھی جو مذکورہ بالا دو پاپاؤں نے جاری کی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یورپ کا مزاج اور اس کی روح بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں کس انداز کی رہی ہے۔ یہ ہے بین الاقوامی قوانین کا وہ خاکہ جو دوسری اقوام کے بارے میں یونانیوں، رومیوں اور مقدس پاپاؤں کے طرز عمل کی غمازی کرتا ہے۔

۱۸۱۵ میں چار بڑی یورپی طاقتوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا تھا جس کا یورپی مصنفین بڑے فخر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ بین الاقوامی اتحاد کی یہ پہلی مثال ہے۔ یہ اتحاد جن ممالک اور حکمرانوں کے درمیان ہوا، ان میں شہنشاہ کروشیا، شہنشاہ جرمنی، شاہ آسٹریا اور شہنشاہ روس شامل تھے۔ اس معاہدے کو (Holy Alliance) یا اتحاد مقدس کا نام دیا گیا۔ اس میں تین اصول طے کیے گئے۔ پہلا اصول یہ تھا کہ یورپ اور اس کے قرب و جوار میں کسی مسلمان طاقت کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے گا اور اس میں پہلے قدم کے طور پر سلطنت عثمانیہ کی تباہی میں جو کچھ ہم سے ہو سکا ہم کریں گے۔ دوسرا بنیادی اصول یہ تھا کہ دنیا میں جمہوریت کو حتی المقدور پنپنے نہیں دیا جائے گا۔ تیسرا اصول ان کے داخلی معاملے کے سلسلے میں تھا کہ نپولین بوناپارٹ کی اولاد میں سے کسی کو اقتدار میں شریک نہ ہونے دیا جائے گا۔

یہ مختصر سا تاریخی جائزہ دنیا کے مختلف علاقوں میں بین الاقوامی قوانین کے آغاز و ارتقا کا ہے۔

(جاری)

رسائل و مسائل

رخصت و عزیمت

میرے والد صاحب ۲۰ سال سے بنک کے ملازم تھے۔ ۱۹۸۵ـ۱۹۹۵ تک سودی کاروبار چھوڑ کر مختلف کاروبار کیے مگر لاحاصل' اب پھر بنک کی ملازمت کرلی ہے' حالات سے مجبور ہو کر۔ والد صاحب یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ ایسے حالات میں بنک کی نوکری مجبوری بن گئی ہے۔ میں رفیقہ جمعیت ہوں۔ یہ تو نہیں کہتی کہ بہت علم ہے میرے پاس' مگر دل ہے کہ مطمئن ہونے کو نہیں آتا۔ حرام کمائی' کبھی صحیح کام نہیں کرسکتی! ہر قسم کی آمدنی (تنخواہ) جو گھر آتی ہے وہ غلط ہے' کھانا پینا مشکل ہو گیا ہے۔ جب نوالہ اندر جانے لگے' خوف محسوس ہوتا ہے۔ جسم پر نظر پڑے "تو جو جسم حرام کمائی سے پلے' اس کے لیے آگ ہی موزوں ہے" کی صدا سنائی دیتی ہے۔ مولانا عبدالمالک سے پتا کیا تھا۔ انھوں نے کہا "بقدر ضرورت لے سکتی ہیں' اس لیے کہ آپ کے ولی ہیں وہ"۔ مگر بقدر کے لیے کیا حد ہے؟ کیا اتنا کہ سانس آجاسکے۔ یہ عمر ایسی ہے کہ چلتے پھرتے بھوک لگتی رہتی ہے' گھر میں کوئی اونچ نیچ ہو جاتی ہے تو لگتا ہے اسی حرام کمائی کا کمال ہے۔ اباجان کی داڑھ اور پاؤں میں درد تھا اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہلکا ہلکا درد کر کے کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے درد سے بچو۔ اباجان سے کہا بھی--- مگر کہتے ہیں' مجبوری ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو گزارہ کیسے ہو گا؟

مزید یہ کہ بعض اوقات رشتے داروں کے ہاں جاتے ہیں اور پتا ہوتا ہے کہ ان کے ذرائع آمدنی ٹھیک نہیں۔ ان کے ہاں بھی یہی مشکل ہے۔

میں ایک بچے کو پڑھاتی بھی ہوں۔ جو ۳۰۰ روپے مجھے ملتے ہیں' وہ کتابیں خریدنے اور اعانت دینے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ مولانا عبدالمالک صاحب نے کہا تھا کہ اگر آپ خود سے کوئی کام کرسکتی ہیں اور اس سے اتنی آمدنی ہو کہ آپ اپنے اخراجات خود اٹھا سکیں تو پھر والد سے نہ لیں۔ اگر دو چار بچے اور پڑھا لوں تو آمدنی میں اضافہ متوقع ہے۔ آپ مشورہ دیں۔

جمعیت کے کاموں کے سلسلے میں جب ادھر ادھر جانا پڑتا ہے تو بھی والدین ناراضی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کام کو سمجھتے ہیں مگر معاشرے سے ڈرتے ہیں۔ جانے سے پہلے منع کرتے ہیں اور اگر میں مخالفت کے باوجود بھی چلی جاؤں اور آکر مختلف طریقوں سے راضی کرنے کی کوشش کروں تو مان بھی جاتے ہیں' مثلاً

خدمت سے دل جیت کر یا اس طرح کے اور ذرائع، ان میں کوئی حرج تو نہیں؟

مولانا عبدالمالک صاحب کی ایک بات بہت یاد آتی ہے۔ کمزور ایمان کے لوگ کبھی انقلاب نہیں لایا کرتے۔ میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ یہ بات میرے متعلق کہی جائے۔ مجھے رخصت کی راہ نہیں عزیمت کی راہ درکار ہے--- فتویٰ کا نہیں تقویٰ کا راستہ چاہیے۔ میں کونے میں چھپ چھپ کر رو نہیں سکتی۔ میں صرف دل ہی میں برا نہیں جان سکتی۔ عمل کے میدان کے لیے راہنمائی درکار ہے۔

اللہ کی نافرمانی سے بچنے، خصوصاً حرام رزق سے بچنے کے لیے آپ کی تڑپ اور بے چینی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اپنے گناہوں کو دیکھتے ہوئے آپ پر رشک بھی آیا۔ یہ سب اللہ کی دین ہے، اس سے دعا ہے کہ وہ اسے باقی رکھے، استقامت بخشے، اور اس حرام سے بچنے کی فکر کو کھانے پینے تک ہی محدود نہ رکھے۔ حرام کا دائرہ معاملات میں بھی ہے، زبان کے اعمال میں بھی ہے، مثلاً غیبت، تمسخر وغیرہ۔ اور دل کے اعمال میں بھی، مثلاً کبر اور حسد وغیرہ۔ اللہ ضرور آپ کی مدد کرے گا، اگر آپ دین حنیف کے سیدھے اور صاف اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں گی۔

پہلے تو چند بنیادی باتیں ہیں:

۱۔ میں آپ کو یقیناً رخصت نہیں عزیمت کا مشورہ دوں گا۔ لیکن آپ کو عزیمت کے صحیح معنی سمجھنا چاہییں۔ فتویٰ اور تقویٰ میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں۔ فتویٰ، اِلّا یہ کہ وہ حیلہ نفس کی خاطر دیا گیا ہو، تقویٰ کی طرف ہی راہ نمائی کرتا ہے۔ عزیمت کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے، جس پر صحیح راہ نمائی یا علم حاصل ہو گیا ہو، آپ اس پر اطمینان قلب کے ساتھ جم جائیں۔ اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم میں ہی کوئی آسانی، سہولت پائی جاتی ہو، اس پر عمل کرنا بھی عزیمت ہے۔ سفر میں نماز قصر نہ کرنا عزیمت نہیں ناشکری ہے۔ بیماری میں روزے رکھنا بھی عزیمت نہیں۔ سفر میں، خصوصاً جہاد میں، روزے کو ترک کرنے کا حکم خود حضورؐ نے دیا ہے۔ حضورؐ کے حکم پر، نقش قدم پر چلنا ہی عزیمت ہے۔ جب ہاتھ روکے رکھنے کا حکم ہو تو مزاحمت نہ کرنا اور نہ لڑنا ہی عزیمت، جب قاتلوا کا حکم ہو، تو پیٹھ نہ دکھانا عزیمت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: میں سوتا بھی ہوں، قیام لیل بھی کرتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، اور چھوڑ بھی دیتا ہوں--- اور میں سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا ہوں۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ دین آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی رکھی ہے، مشکل و مشقت نہیں۔ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ) اور فرمایا ہے يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (نساء ۴: ۲۸) اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اسلام کا نام ہی

اس نے "الیسریٰ" رکھا ہے اور فرمایا ہے، مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (المائدہ ۵:۶) اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے۔ جو الیسریٰ پر چلتا ہے، سید قطب کے الفاظ میں، اس کے عمل میں سہولت ہوتی ہے، اس کے تصور و افکار میں نرمی و سہولت ہوتی ہے، وہ اپنے نفس کے ساتھ بھی نرمی برتتا ہے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ "جب حضورؐ کو دو کاموں میں سے کسی ایک کام کو کرنے کا اختیار دیا جاتا تو آپؐ اس میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے" (بخاری، مسلم)۔ ایسا کرنا عزیمت کے خلاف نہ ہوتا۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ دین پر عمل کرتے ہوئے استقامت سے عمل کرنا چاہیے۔ جہاں سہولت ہو، وہاں اسے عزیمت کے نام پر رد نہ کرنا چاہیے۔ جہاں نہ ہو، وہاں خواہ مخواہ ہوائے نفس کی خاطر سہولت اور آسانی پیدا نہ کرنا چاہیے۔ جو دین کی سہولتوں سے اجتناب کرے اور اپنے کو سختیوں میں ڈالے، اس کے بارے میں نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ "یہ دین آسان ہے۔ جو شخص (آسانی کو چھوڑ کر) دین سے دھینگا مشتی کرے گا، وہ دین سے شکست کھائے گا (اور زچ ہو جائے گا)" (بخاری)۔ اور فرمایا: "اپنے آپ کو سختیوں میں نہ ڈالو، نہیں تو تم پر سختی کی جائے گی۔ ایک گروہ نے خود کو سختیوں میں ڈالا، تو وہ سختیوں کے حوالے کر دیے گئے"۔ (ابوداؤد)

دین کی راہ میں جو سختیاں اور آزمایشیں آئیں، ان کو کبھی طلب نہ کرنا چاہیے۔ اس میں مومن کا رویہ خوف، عاجزی اور تواضع سے بھرپور ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت دعا کرتا ہے کہ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔ عزیمت کو طلب کرنے میں ایک قسم کا ادعائے نفس اور کبر بھی شامل ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے آپ کا معاملہ یہ نہیں، یہ طلب صادق ہے۔ لیکن طلب صادق سے ہی آدمی اس درخت تک پہنچ جاتا ہے جس کے قریب جانا منع کیا گیا ہو۔

اب ان باتوں کی روشنی میں آپ غور کریں۔ آپ خود ہی جانتی ہیں کہ ابھی آپ کے پاس علم بہت نہیں، جذبہ اور لگن کی فراوانی ہے۔ سلف سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب علم نہ ہو تو اس عالم سے پوچھو جس پر اعتماد ہو۔ پھر جو وہ بتائے اس پر، آنکھیں کھلی رکھ کر، عمل کرو۔ آپ نے مولانا عبدالمالک صاحب جیسے بزرگ عالم سے، جو خود عزیمت کی راہ کے شہ سوار ہیں، فتویٰ پوچھا اور انھوں نے آپ کو شریعت کا حکم بتا دیا کہ "لے سکتی ہیں، اس لیے کہ والد آپ کے ولی ہیں، اور یہ آپ کا حق بنتا ہے"۔ اس کے بعد فتویٰ کے بجائے تقویٰ اور رخصت (سمجھتے ہوئے) کے بجائے عزیمت کی تلاش میں نکل جانا دین کا تقاضا نہیں، شریعت اور حکمت کے مطابق بھی نہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ "کس قدر لے سکتی ہیں" تو اس کا تعین تو کوئی قانون نہیں کر سکتا۔ یہ تو آپ کو خود ہی طے کرنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ گھر والوں کی روزمرہ کی زندگی میں شریک رہنا چاہیے۔ آپ کی سطح کی ایک عام لڑکی کو اوسط درجے کی زندگی گزارنے کے لیے جتنی ضرورت ہو، اتنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔

جب یہ لینے کی اجازت خود شریعت دے رہی ہے، تو اس پر وہ تمام وعیدیں کیوں وارد ہوں گی جو حرام غذا، حرام رزق اور حرام طعام کے بارے میں ہیں۔ آپ کے لیے تو یہ حرام نہیں۔ یہ سب شیطانی وسوسے ہیں۔ ان کا انجام یا تو زچ ہو جانا ہے اور فتنے میں پڑ جانا ہے، یا پھر اس مہم جوئی ہی سے دست بردار ہو جانا ہے۔ میرے علم میں ان حادثات کی کئی مثالیں ہیں۔ لوگ جتنی اطاعت کے مکلف تھے اس سے زیادہ کی جستجو میں لگ گئے گویا انھوں نے اطاعت اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے سیدھے سادھے طریقوں کو کافی نہ سمجھا۔ پھر جو کچھ متاع پاس تھی، وہ بھی کھو بیٹھے۔

ہاں، شریعت کے حکم پر عمل کرنے کے باوجود ہر وقت دل میں ایک ہلکی سی خلش رہنا چاہیے، خراش نہیں جو جینا دوبھر کر دے۔ ہر وقت اللہ سے استغفار بھی کرتے رہنا چاہیے۔ اور دعا بھی کرنا چاہیے کہ آپ جس حالت میں ہیں، اس سے بہتر حالت عطا کرے۔ استغفار کے یہ معنی نہیں کہ آپ گناہ کر رہی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو سو مرتبہ استغفار، توبہ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نصرت و فتح کے تکمیلی لمحے میں بھی استغفار کی ہدایت کی۔ اللہ کی راہ میں جان لڑانے والے ربانیوں (اہل اللہ) کا شعار بھی استغفار تھا" (آل عمران)۔

عزیمت اس میں دکھایئے کہ جان لگا کر دین کا کام کیجیے، وقت اور مال کی قربانی دیجیے، برائی کا جواب بھلائی سے دیجیے، نعمت پر اترانے کے بجائے شکر کیجیے، مصیبت میں جزع و فزع کے بجائے صبر، ہر کام کی نیت اللہ کی توفیق کی طرف کیجیے، غصے اور حسد پر قابو پایئے، عزت پر ہاتھ نہ ڈالیے--- آج کے دور میں تو حرام لقمہ سے اجتناب بھی یقیناً بڑی عظمت کا کام ہے، لیکن یہ سارے کام اس سے زیادہ بڑی عزیمت کے کام ہیں۔ میں آپ کو عزیمت اور تقویٰ کی یہی راہ دکھاتا ہوں۔

اس معاملے کا ایک پہلو اور ہے:

آپ کو یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہیے---اور حکمت دین کے لحاظ سے یہ بڑی اہم بات ہے---کہ ہم ایک ایسے جاہلی نظام کے شکنجے میں گرفتار ہیں کہ حرام سے بالکلیہ اجتناب ممکن نہیں۔ راستے کی گرد کی طرح ہر شخص کے ناک میں "سود" جاتا ہے۔ بیش تر لوگ "سود" کا کاروبار یا لین دین اس لیے نہیں کرتے کہ وہ اللہ کے نافرمان ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ مجبور ہیں۔ اگر آج انھیں سود سے پاک نظام نصیب ہو تو وہ بہ خوشی "سود" سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اس لیے اس نظام کو بدلنا سب سے اہم فرض ہے۔ اس کو بدلے بغیر اس قسم کے مسائل سے مفر نہیں۔ اس نظام کو بدلنے کے لیے، اسی بگڑے ہوئے معاشرے میں سے کم سے کم اتنی قوت درکار ہے جو اس نظام کو بدل سکے۔ آپ کا مقصد یہ نہیں کہ خود حرام سے بچ جائیں بلکہ اولین ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ انسانوں کے درمیان مل جل کر رہیں، اور ان میں سے اپنے مقصد کے لیے ضروری قوت فراہم کریں۔ اگر آپ کٹ جائیں، معاشرتی تعلقات میں افتراق پیدا کر دیں، آپ کا ملنا جلنا ختم ہو جائے، تو آپ کا یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ ہجر

(ترک) مطلوب ہے، لیکن ہجر جمیل۔ تکفیر و تفسیق اور ہجرت کی پالیسی ایک مسلمان امت اور مسلمان معاشرے میں، میری رائے میں، صحیح نہیں۔ اسی لیے مسلمانوں کو، قوم کو، بحیثیت مجموعی برا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی لیے ہر امیر کی اطاعت ہر امام کے پیچھے نماز اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ وہ فاسق ہو۔ اسی لیے مسلمان بھائیوں کے گھر میں کھانے پینے کے بارے میں چھان بین سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ساری احادیث میری مرتب کردہ "کلام نبوی کی صحبت میں" میں مل جائیں گی، جسے ادارہ "منشورات" نے شائع کیا ہے۔

اگر آپ اپنے گھر میں، یا اپنے رشتے داروں کے گھروں میں کھانے پینے سے انکار کر دیں گی تو وہ ساری خرابی پیدا ہو گی جس کی طرف میں نے اشارا کیا ہے۔ پہلا مرحلہ تو ایمان پیدا کرنے کا ہے۔ خصوصاً آخرت اور جنت دوزخ پر۔ پھر حرام و حلال کی تمیز خود بخود پیدا ہو گی۔ آپ پہلے حرام و حلال کی ان بحثوں میں الجھا دیں گی تو کسی کی بھی اصلاح نہ کر سکیں گی۔ مقصود اصلاح ہے۔ حتی المقدور اور حکمت کے ساتھ، اپنے کو بچانا ہے۔ جب رشتے داروں کی آمدنی مشکوک ہو یا اس میں آمیزش یقینی ہو (جیسے انکم ٹیکس افسران اور بنک افسران کی آمدنی) ان کے ہاں نرمی، مسکراہٹ، فتویٰ بازی کے بغیر معاشرتی تعلقات رکھنا چاہییں۔ ضروری خاطر مدارات سے آگے فائدہ نہ اٹھانا چاہیے۔ ساتھ ہی ان کے دلوں کو آخرت کی جواب دہی کی تذکیر سے نرم کرنے کا کام جاری رکھنا چاہیے۔ یہی پہلو جمیل ہے، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ مصلح کے لیے اس سے زیادہ مہلک کوئی بات نہیں کہ لوگ سمجھیں یہ اپنے آپ کو ہم سے برتر اور زیادہ متقی سمجھتا ہے۔ یا وہ خود واقعی ایسا سمجھنے لگے۔ اس لیے کہ حق بات تو تواضع کے ساتھ ہی دلوں میں راہ پاتی ہے۔

ماں باپ کا معاملہ بہت نازک ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اولاد کو والدین کو نہی عن المنکر کرنا ہی نہیں چاہیے۔ میں اس کا قائل تو نہیں، لیکن یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ اس طرح کرنا چاہیے کہ ان میں کوئی تلخی اور رد عمل نہ پیدا ہو۔ حق کی خاطر ہی ہو، لیکن پھر بھی جہاں تک ممکن ہو، **فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا** کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے تو بہتر ہے، اور **وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا** پر عمل رہے۔ والدہ کے معاملے میں اسی کو ملحوظ رکھیے۔ کوئی غلط طریقہ اختیار نہ کیجیے۔

بنک کی ملازمت آج کل بلوہ عام بھی ہے۔ ہم سب بنک سے لین دین کرتے ہیں۔ بنک بیٹھ جائیں تو معیشت بیٹھ جائے گی۔ کل اسلامی بنک بنیں گے (یا آج جو بن چکے ہیں) ان کو وہی لوگ چلائیں گے جن کو بنک کاری کا تجربہ ہو گا۔ میں حاشا و کلا بنک کی ملازمت کو جائز ثابت نہیں کر رہا۔ لیکن جاہلی نظام کے اس شکنجے میں، قطع تعلق تک جائے بغیر، اس کے ساتھ نباہ کرنے میں ہرج نہیں سمجھتا۔ آپ کے والد کے ساتھ تو متبادل ذریعہ معاش نہ ہونے کی مجبوری بھی ہے۔ اس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ علما یہاں انھیں (آپ کو نہیں، اگر آپ کا اپنا ذریعہ معاش ہو) یہ رخصت دیتے ہیں کہ وہ یہ ملازمت کریں۔ کیونکہ فقر، کفر تک لے جا سکتا ہے۔ ایک طریقہ یہ

بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ایک ٹیوشن کے پیسے لا کر والدہ کے ہاتھ میں رکھ دیں۔ یہ نہ کہیں کہ یہ میرے اخراجات ہیں۔ نیت یہی کر لیں۔ اس سے تالیف قلب بھی ہوگی، آپ کے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو گا۔ حق ہونے کے باوجود بچنے کی خواہش کی عملی صورت ہو گی۔ اور تعلق تو بہت ہی بہتر ہو جائے گا۔ اتنا کہ شاید آپ بالآخر ان سے غلط اور معصیت کے کام چھڑوانے میں کامیاب ہو جائیں۔

میں یہ مشورہ اس لیے نہیں دے رہا کہ یہ شرعاً ضروری ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ آپ اور چار ٹیوشنیں کر کے اتنا لا کر دیں کہ آپ کے سارے اخراجات کے مساوی ہو۔ اتنی ٹیوشنیں کر کے آپ دین دنیا کے کسی کام کی نہ رہیں گی۔ لیکن کبھی یہ سہولت زیادہ آمدنی ہو سکے تو زیادہ بھی دیں۔

یہ بھی اچھی طرح یاد رکھیے کہ افراد کے لیے یہ دنیا دارالجزا نہیں، دارالامتحان ہے۔ اس لیے گھر کی اونچ نیچ کو ناجائز ذریعہ آمدنی کا نتیجہ سمجھنا صحیح نہیں۔ یہ بڑی کمزور دلیل ہے۔ بہت سے لوگوں کی آمدنی بڑے مظالم سے حاصل کی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ راحت و مصیبت، سب امتحان کے لیے ہیں۔ ان کا فلسفہ ہی دوسرا ہے۔

جمعیت کے کام کے لیے دل جیت کر اجازت حاصل کرنے سے زیادہ پسندیدہ راستہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس میں تشویش کی کیا بات ہے۔

میں نے خرابی صحت کے باوجود اتنی تفصیل سے خط اس لیے لکھ دیا ہے کہ میں چاہتا ہوں آپ کا جذبہ ایمانی صحیح راہ میں لگے۔ غلط راہوں میں ضائع نہ ہو جائے۔ لیکن بس ایک بات ہے۔ جب کسی سے راہ نمائی چاہی جائے تو نیت اور ارادہ یہ ہونا چاہیے کہ جو راہ نمائی ملے گی اس پر چلیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی سوچ یا خواہش کے مطابق نہ ہو تو بحث پر اتر آئیں یا اب کسی تیسرے آدمی کا رخ کریں۔

میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کریں۔ (خرم مراد)

کتاب نما

تفہیم الاحکام (دو حصے) فتاویٰ مفتی سیاح الدین کاکاخیل۔ جمع و ترتیب شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور۔ صفحات اول: ۴۷۸، دوم: ۳۶۸۔ قیمت: ۱۶۵ روپے فی جلد۔

ذاتی اور عائلی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کے لیے کتاب و سنت کی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے علما سے فتویٰ لینے کی روایت دور غلامی میں بھی قائم رہی لیکن اب احیاے اسلام کے جدید دور میں اجتماعی مسائل میں بھی راہ ہدایت معلوم کرنے کا رجحان مضبوط ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں مفتی سیاح الدین کاکاخیلؒ نے اپنی حیات مستعار کے آخری چند برسوں میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن کی حیثیت سے نمایاں کردار انجام دیا۔

۱۹۳۴ میں جب وہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو بھیرہ، دیوبند اور پھر فیصل آباد میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران میں انھوں نے عقائد، اخلاق، عبادت اور معاملات کے سلسلے میں ہزاروں فتاویٰ جاری کیے۔ ان میں سے کچھ کو جن کا تعلق معاشرت، معیشت اور معاملات سے ہے، محترم مولانا عبدالمالک صاحب نے زیر نظر مجموعوں میں مرتب کر دیا ہے۔ پہلے حصے میں طہارت، صلوٰۃ، جنائز، نکاح، طلاق، رضاعت، نفقہ وغیرہ کے مسائل ۳۵۰ صفحات تک جاتے ہیں۔ باقی صفحات میں وقف اور شرکت و مضاربت کے مسائل کا بیان ہے۔ دوسرے حصے میں بیع، اجارہ، دیت، قصاص، بیمہ، حق شفعہ، مزارعت، وصایا اور میراث وغیرہ سے متعلق بحثیں شامل ہیں۔ بعض مباحث نہایت سیر حاصل ہیں، جیسے بیمہ کے جواز اور عدم جواز پر ۴۰ صفحات۔

اس نوعیت کی کتابوں کا ایک مقصد یقیناً یہ ہے کہ ایک عام پڑھا لکھا مسلمان اپنے شب و روز میں پیش آمدہ مماثل مسئلہ پر رہنمائی حاصل کر لے۔ ان فتاویٰ کی خوبی یہ ہے کہ یہ فرضی نہیں، حقیقی مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ لیکن اس میں شامی، درمختار، عالمگیری، فتاویٰ جدیدیہ، مجمع الانہر، دار الحکام، بحرالرائق وغیرہ سے عربی میں اقتباسات نہایت فراوانی سے نقل کر دیے گئے ہیں اور ترجمہ بھی بالعموم نہیں دیا گیا ہے۔ آیات و احادیث کی صحت کے ساتھ کتابت جتنا بڑا مسئلہ ہے، وہ واقفان حال جانتے ہیں، ویسے بھی ۴، ۴، ۵، ۵ صفحات بغیر اعراب کو عربی عبارات کی صحت تو کوئی اہل علم عربی دان ہی جانچ سکتا ہے۔ اس طرح ان فتاویٰ کی افادیت ایک محدود حلقہ علما کے لیے تو بڑھ گئی ہے لیکن عام قاری کے لیے جو ناشرین کے پیش نظر ہونا چاہیے، محدود ہو گئی ہے۔ اگر ترجمہ کا اہتمام کر لیا جاتا تو اس کتاب کی افادیت دوچند ہو جاتی۔

مفتی سیاح الدینؒ کتاب و سنت اور فقہ و تاریخ کے ساتھ اپنے دور کے حالات اور تقاضوں کا بھی گہرا ادراک رکھتے تھے۔ انھیں ہم عصر علما میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ ان کی اصابت رائے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی محمد شفیعؒ بھی اپنے بعض فتاویٰ سے، کاکاخیل رحمتہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں رجوع کر لیا کرتے تھے۔

اس مختصر تبصرے میں مسائل زیر بحث کی وسعت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ مطالعہ سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ مسائل کی تفصیل خواہ بدل گئی ہو، لیکن ان کی نوعیت اور اصل ایک ہونے کی وجہ سے مفتی صاحب یہ التزام کر سکے ہیں کہ ہر فتوے کے لیے کتب فقہ سے متعدد حوالے نقل کیے ہیں۔ اسلامی قانون کو ملکی قانون بنانے کا مطالبہ تمام مسلم ممالک میں عوام الناس کا مقبول مطالبہ ہے، لیکن اگر قوت نافذہ فراہم ہو جائے تب بھی اس کی عملی پیچیدگیاں سلجھانا علما کے لیے ایک چیلنج ہو گا۔ زیر نظر کتاب اس سمت ایک قابل قدر پیش رفت ہے۔ یقیناً سید مودودیؒ، مولانا گوہر رحمٰن، عروج احمد قادری اور جلال الدین عمری صاحبان کی اسی نوعیت کی کتب میں، یہ کتاب ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ (مسلم سجاد)

اسلام: دستور حیات، ترجمہ از محمد ظہیر الدین بھٹی، اسلامک پبلی کیشنز، لمیٹڈ، لاہور۔ صفحات: ۳۵۷۔ قیمت: ۹۶ روپے۔

"اسلام: دستور حیات" السید سابق کی تصنیف "اسلامنا" کا اردو ترجمہ ہے۔ بظاہر سمجھا جاتا ہے کہ اس سائنسی اور ایٹمی دور میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے روحانی و اخلاقی تعلیمات کی ضرورت نہیں حالانکہ ان کی جتنی ضرورت آج ہے، شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ مادی طرز فکر نے انسان کو آدمیت سے بے بہرہ کر دیا ہے اور مادی ترقی اس کی تباہی کا باعث بن گئی ہے۔ اس ترقی کو انسان کے حق میں مفید بنانے کے لیے ضروری ہے کہ دین حق کی تعلیمات کو موثر انداز میں پیش کیا جائے لیکن عام مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ یا تو ابھی تک زمانہ حال میں رونما ہونے والی زبردست تبدیلیوں کا ادراک ہی نہیں کر پائے۔ یا پھر وہ ان صلاحیتوں کا شعور نہیں رکھتے جن کی بدولت دین کا پیغام موثر انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف موجودہ دور کے حالات کے تناظر میں دین حق کی تعلیمات کے ہمہ گیر اثرات سے بخوبی آگاہ ہیں اور عالم انسانیت کی تشکیل و تعمیر میں دین کے کردار کو اجاگر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کا طرز استدلال اور انداز بیان نہایت موثر اور دلکش ہے۔ انھوں نے اپنے مباحث کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھی ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں اشعار کی مدد سے بھی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ سیرت نبویؐ اور سیر الصحابہؓ کے واقعات کے ساتھ ساتھ مسلم اور غیر مسلم اہل علم کی آرا سے بھی استدلال کیا ہے۔ فاضل مصنف نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے اس کا حق ادا

کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب یقیناً معلومات افزا اور ایمان افروز ہے۔ مترجم کتاب جناب محمد ظہیر الدین بھٹی نے بہت عمدگی سے ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب کا شمار ان چند کتابوں میں کیا جا سکتا ہے جن کے مطالعے سے دل و دماغ بھی روشن ہوتے ہیں اور انسان کو روز مرہ زندگی میں عملی رہنمائی بھی ملتی ہے۔ اگر عربی عبارات پر اعراب کا اہتمام کیا جاتا تو بہتر تھا۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاھین)

رسول اللہؐ کی وصیتیں، مرتبہ : مولانا ابو مسعود اظہر ندوی۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: ۳۰ روپے۔

بہت واضح اعراب کے ساتھ عربی متن، سو (۱۰۰) موضوعات کو جنھیں ایمانیات اور عقائد، عبادات اور دعاؤں اور معاملات و آداب کے تین عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بیش تر صرف ترجمہ، کہیں کہیں تشریح، ہر موضوع کے تحت ایک یا ایک سے زائد احادیث---- ان خصوصیات کے ساتھ احادیث کا یہ مختصر مجموعہ اپنی نوعیت کی کتابوں میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ مرتب کے مطابق اس مجموعے میں آپؐ کی وہ وصیتیں جمع کی گئی ہیں جو دراصل صحابہ کرامؓ اور ان کے ذریعے ہماری تعلیم و تربیت کے لیے گراں مایہ نصیحتیں ہیں۔ کوئی ان کا خیال رکھے تو دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرلے۔ موضوعات کے تنوع اور جامعیت کا اندازہ اس مختصر تبصرے میں نہیں کروایا جا سکتا۔ ترجمہ رواں اور شستہ ہے۔ کتابت و طباعت بھی معیاری ہے۔ اس طرح کی کتابیں پاکستان میں عام طور پر دستیاب ہو سکیں یا کوئی ناشر اجازت لے کر شائع کرے تو بہت مفید ہو گا۔ (م - س)

Islamic Legal System - for an Ascendant Social Order- Methodology of Reorganization (اسلام کا قانونی نظام---معاشرتی ضابطہ کے غلبہ کے لیے---- تشکیل نو کا طریق کار)۔ ڈاکٹر سراب اسلم خاں۔ ناشر: فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔ صفحات: ۲۳۶۔ قیمت: ۲۹۵ روپے۔

کسی ریاست کی تشکیل و تنظیم میں قانونی نظام کو ایک بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام سے قبل صرف رومیوں کے پاس ریاستی سطح پر ایک قانونی نظام موجود تھا مگر یہ قانون بھی اس ریاست کے استحکام اور مستقبل کی کوئی واضح ضمانت دینے سے قاصر رہا۔ اسلام نے اپنے جامع اور ہمہ گیر ضابطہ حیات کو ایک قانونی اور تشریعی نظام کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ عہد رسالتؐ کے قانونی نظام کو عہد خلافت کے اجتہادات نے تقویت بخشی۔ اس کے قانونی نظام کے باعث مسلم ریاستوں اور معاشروں میں نظم و ضبط برقرار رہا۔ فاضل مصنف نے تاریخی تناظر میں اسلام کے اس قانونی نظام کے ارتقا کا جائزہ لیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ

دسویں صدی عیسوی میں اجتہاد سے گریز اور تقلید پر اصرار کے باعث یہ قانونی نظام ضعف کا شکار ہو گیا۔ تاہم بیسویں صدی، میں مفتی محمد عبدہ اور علامہ اقبال نے اجتہاد کی طرف متوجہ کیا۔ اس کے باعث مشرق و مغرب کے جیورسٹ اس قانونی نظام کی تشکیل نو اور تعبیر جدید کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کتاب کے آخری دو ابواب میں قانونی نظام کی اسی تشکیل نو کے طریق کار سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں ہر معاشرے اور مملکت کو اپنی تہذیبی اور ثقافتی اقدار کے تحفظ اور بقا کے لیے ایک قانونی نظام کی ضرورت ہے۔ مسلم فقہا کتاب و سنت کی اصولی' قانونی اور تشریعی تعلیمات کی روشنی میں اجماع کی نئی شکلیں اور صورتیں پیدا کر سکتے ہیں۔ اجتہادی بصیرت کو آج کے عصری علوم و فنون کی روشنی میں دیکھنا اور پرکھنا ہو گا۔ اسلامی ممالک کی جغرافیائی وسعت کے ساتھ اس کے قانونی نظام میں مقامی روایات و عادات نے بھی کئی نئے مسائل اور جہات کو جنم دیا ہے۔ اس سے مختلف دبستان مذاہب نے اپنے اپنے فقہی اسلوب کے ساتھ قانون کی تعبیر و تشریح کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یوں عصری ضرورتوں کے باعث اجتہاد کے نئے امکانات سامنے آتے رہے ہیں۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بہت سے مسلم ممالک مغربی استعمار اور استبداد کا شکار ہوئے مگر اس دور مغلوبیت میں بھی مسلم فقہا نے اسلامی قانون کی تشکیل نو کے فرائض سے پہلوتہی نہیں کی بلکہ بعض غیر مسلم جیورسٹ بھی اس تقابلی مطالعے میں شریک ہو گئے۔ آج دور آزادی میں مسلم جیورسٹ اسلام کے قانونی نظام کو درپیش مسائل میں اجتہاد کی ضرورت و اہمیت سے غافل نہیں۔ مصنف نے خلاصہ کلام یا نتیجہ فکر کے طور پر اسلام کے قانونی نظام کی تشکیل نو اور اس کے منہاج سے عمدہ بحث کی ہے۔ یہ کتاب ایک اچھی تحقیقی کاوش ہے' مگر اس کا اسلوب اکثر مقامات پر ادق دکھائی دیتا ہے۔ تاہم اس موضوع سے حقیقی دلچسپی رکھنے والے سکالر' جیورسٹ اور وکلا کے لیے یہ علمی کوشش' سوچ بچار کے بہت سے زاویے پیش کرتی ہے۔ کتاب کے بالکل آخر میں موضوعاتی اشاریے کے علاوہ ۳۷۱ کتب کی ایک جامع فہرست بھی فراہم کر دی گئی ہے جس سے مصنف کے وسعت مطالعہ کا احساس ہوتا ہے۔ امید ہے کہ یہ تحقیقی کاوش اس موضوع پر مزید غور و فکر کا ذریعہ بنے گی۔ (پروفیسر عبدالجبار شاکر)

اقامت الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ' میاں محمد شوکت۔ ناشر: فرقان پبلی کیشنز' لطیف آباد' حیدر آباد۔ صفحات: ۳۰۔ قیمت: ۲۵ روپے۔

اس کتاب کا محرک مصنف کا یہ احساس ہے کہ "جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان میں سے تھوڑے لوگ ہیں جو نماز کی حقیقت اور روح سے واقف ہیں اور ضروری باتوں کا لحاظ رکھ کر ادا کرتے ہیں"۔ چنانچہ مصنف نے عبادت الٰہی' ذکر الٰہی' مساجد کے آداب' وضو' اذان' نوافل' نماز باجماعت وغیرہ کی اہمیت اور ان کے

فضائل بیان کیے ہیں اور نماز کے روحانی پہلو کا بھی ذکر کیا ہے۔ بتایا ہے کہ ترک نماز یا آداب نماز کو نظرانداز کر کے اقامت صلوٰۃ کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ ان کے خیال میں نظام صلوٰۃ میں غفلت بھی مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا ایک بڑا سبب ہے۔ اسی کتاب کے دوسرے حصے میں لوائے زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ پر شریعت محمدیہ کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ اپنے موضوع پر ایک مفید کتاب ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

غزل نما' ادا جعفری۔ ناشر: انجمن ترقی اردو پاکستان' بابائے اردو روڈ' کراچی۔ صفحات: ۷۷۴۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

غزل اردو شاعری کی مقبول ترین صنف رہی ہے اور اردو شاعروں نے غزل کا بڑا قیمتی سرمایہ مہیا کیا ہے۔ شعرا کے کلام کے انفرادی مجموعوں' اردو شعر و ادب کی تاریخوں اور تذکروں میں غزل کی نمایندگی سے اس حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ اس کے مطالعے سے ہم اردو زبان و ادب کے ارتقا کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ "غزل نما" وطن عزیز کی ایک معروف اور ممتاز شاعرہ محترمہ ادا جعفری نے ترتیب دی ہے۔ اس انتخاب میں ۳۷۰ شعرا کے نام نظر آتے ہیں' جن کا تعلق دکن' دہلی' لکھنؤ اور رام پور وغیرہ سے تھا۔ اس انتخاب میں سرفہرست محمد علی قطب شاہ (وفات ۱۶۱۱ء) اور آخری نام میاں داد خان سیاح (وفات ۱۹۰۷ء) کا ہے۔ اس طرح زمانی طور پر یہ انتخاب دو سو سال کی طویل مدت پر حاوی ہے۔ اس انتخاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شعرا کے ناموں کی ترتیب ان کی تاریخ وفات کے حساب سے قائم کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں انتخاب سے پہلے ہر شاعر کے مختصر حالات زندگی اور اس کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قدیم شعرا کے اشعار میں آنے والے متروکات کے معنی بھی ساتھ ساتھ درج کر دیے گئے ہیں تاکہ عام قاری بھی ان اشعار سے لطف اندوز ہو سکے۔ انجمن ترقی اردو قبل ازیں عصری شاعری کے دو انتخاب شائع کر چکی ہے جن میں سے ایک آزادی سے قبل طبع ہوا' جسے عزیز احمد نے مرتب کیا تھا اور دوسرا ۱۹۸۱ میں شائع ہوا' جسے وزیر آغا نے ترتیب دیا تھا۔ زیر نظر انتخاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے اور امید ہے کہ یہ بھی اہل ذوق کے لیے تحفہ ادبی ثابت ہو گا۔ طباعت عمدہ ہے۔ کاغذ کی عمدگی اور صفحات کی تعداد کی نسبت سے کتاب کی قیمت مناسب ہے۔ (ر۔ ب۔ ش)

دعا' مرتبہ: میاں ریاض الحق فاروق۔ ناشر: سن پبلی کیشنز' لاہور۔ صفحات: ۹۵۔ قیمت: ۲۱ روپے۔

قرآنی دعاؤں کا ایک خوبصورت مجموعہ۔ ہر دعا کے ساتھ ترجمہ' مختصر وضاحت اور یک سطری "فائدہ"۔ ابتدا میں دعا کی ضرورت' فضیلت' آداب' شرائط وغیرہ پر مفید تمہیدی گفتگو شامل ہے۔ مگر اس میں شامل آیات کے متن اور اعراب پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جا سکی۔ (د۔ م)

حضرت نواس ابن سمعانؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: "نیکی (کی کیا علامت ہے) اور گناہ کی (کیا علامت ہے)؟" فرمایا: "حسن خلق نیکی ہے' اور وہ امر گناہ ہے جس سے تمہارے دل میں خلش پیدا ہو اور اس عمل سے لوگوں کا واقف ہونا تمہیں ناگوار ہو"۔ (صحیح مسلم)

اشاریہ: "ترجمان القرآن" ۱۹۹۶

مرتبہ: شائستہ ہاشمی

مصنف/ مبصر/ مرتب	مضمون/ تبصرہ/ تحریر	شمارہ	صفحات
اشارات:			
خرم مراد	آج کا چیلنج، کل کے مسائل	مارچ	۳-۹
"	اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش میں اصل فیصلہ کن مسئلہ		
	کیا محمدؐ اللہ کے رسول ہیں؟	جولائی	۳-۱۴
خورشید احمد، پروفیسر	پاکستان---پچاسویں یوم آزادی کے موقع پر	اگست	۳-۱۵
خرم مراد	جہاد کی پکار	اپریل	۳-۹
"	طریق انقلاب۔ اسلحہ یا رائے عامہ؟	جنوری	۳-۱۲
"	قومی بحران کا اصل حل	اکتوبر	۳-۱۱
"	کامیاب زندگی۔ تقویٰ کی زندگی	فروری	۳-۹
"	کرپشن کا علاج کیسے؟	نومبر	۳-۱۰
"	کیا عدالتی فیصلہ ایک انقلاب کا نقیب بنے گا؟	مئی	۳-۱۷
"	گرہ بھنور کی کھلے تو کیوں کر؟	ستمبر	۳-۱۳
"	لبنان: شہنشاہ اور قزاق کی کہانی	جون	۳-۱۳
قاضی حسین احمد	ایک ہی راستہ: جدوجہد	دسمبر	۳-۱۰
۴۰ سال پہلے:			
عبدالماجد دریابادی، مولانا	[مذہبی اور نسلی تفریق پر ٹوائن بی کا تبصرہ]	اکتوبر	۲
"	["الفرقان" شہید نمبر پر تبصرہ]	نومبر	۲
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	[ترجمان القرآن کی اشاعت]	اگست	۲
"	[ترکی میں انقلاب اور اثرات]	فروری	۲
"	[روح اسلام سے بے خبری]	جنوری	۲
"	[سرسید کی تعلیمی پالیسی]	جولائی	۲

مودودی، ابو الاعلیٰ	جستجوئے حق کا صحیح طریقہ	ستمبر	۷۱-۷۳
"	جہاد اور جہاد کشمیر	جنوری	۶۷-۶۸
"	رشوت و خیانت کو حلال کرنے کے بہانے	مارچ	۶۹-۷۱
"	ضلالت و ہدایت	ستمبر	۷۳-۷۵
"	فروعات کا مقام	مارچ	۷۳
"	مصائب کے ہجوم میں ایک مومن کا نقطہ نظر	ستمبر	۷۵-۷۶
"	مغربی تہذیب کا سیلاب	جنوری	۶۷

کتاب نما

اختر راہی	قرآن مجید کا عربی اردو لغت [ڈاکٹر محمد میاں صدیقی]	اپریل	۷۵-۷۶
بلال مسعود، ڈاکٹر	اسلام جدید دور میں [سلمان حسین خان]	"	۸۱-۸۲
تحسین فراقی، ڈاکٹر	نوادر اقبال یورپ میں [ڈاکٹر سعید اختر درانی]	"	۷۸-۷۹
جعفر بلوچ	حاصل بہار [محمد افضل بدر]	مارچ	۸۴
رفیع الدین ہاشمی	[مجلہ] آرزوئے اقبال [محمد رفیق نظامی]	مارچ	۸۳-۸۴
"	آموزگار اقبال [ڈاکٹر اکبر رحمانی]	مئی	۸۲
"	[مجلہ] اردو بک ریویو [اسرار عالم]	جولائی	۸۲-۸۳
"	اسوہ حسنہ قرآن کی روشنی میں [محمد شریف بقا]	"	۷۷-۷۸
"	اقامت الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ [میاں محمد شوکت]	دسمبر	۶۶-۶۷
"	اقبال اور ظفر علی خان [جعفر بلوچ]	اپریل	۷۶-۷۸
"	ان کی باتیں، ہماری یادیں [ایس این خان]	اکتوبر	۷۶-۷۷
"	پاکستانی معاشرہ لائحہ عمل کی تلاش میں [محمد موسیٰ بھٹو]	ستمبر	۸۰-۸۱
"	تاریخ خاندیش کے بکھرے اوراق [ڈاکٹر اکبر رحمانی]	نومبر	۸۴
"	تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ [سید ابو الاعلیٰ مودودی]	مئی	۷۸-۷۹
"	تعارف و خلاصہ آیات قرآنی [پروفیسر شفیق احمد ملک]	مئی	۸۲
"	جگر، شخصیت اور شاعری [اطہر ضیائی]	جنوری	۷۸-۷۹
"	جہانگیری قرآنی اشاریہ [سرور حسین خان قادری جہانگیری]	مارچ	۷۹
"	حکیم محمد سعید کے طبی مشورے [مسعود احمد برکاتی]	مئی	۸۰-۸۱
"	دارا شکوہ احوال و افکار [محمد سلیم]	نومبر	۷۹-۸۰
"	داعیٔ اعظمؐ اور کثرت ازواج [پروفیسر سید محمد سلیم]	جون	۸۶

مدیر کے نام

عبدالرشید بھٹی ' کراچی

تربیت کے اہم موضوع پر مکمل کتاب کا ارادہ (نومبر۹۶) اور اس کا آغاز نہایت مبارک ہے۔ یقیناً یہ آپ کی زندگی بھر کے تجربات اور مطالعے کی عکاس ہو گی۔ طرز تحریر توجہ کو کھینچنے والا ہے۔

نورور جان ' پشاور

تزکیہ و تربیت کے موضوع پر ہمارے علما نے بہت لکھا ہے لیکن کسی جدید تعلیم یافتہ شخص کی جامع اور مربوط تحریر کی شاید یہ پہلی مثال ہو۔ اس کا انداز بھی اپنا ہے۔ یہ منفرد تحریر اس دور کے افراد خصوصاً نوجوانوں کو زندگی سنوارنے میں قرار واقعی مدد دے گی۔

محمد سلیم ' رحیم یار خاں

آپ تو ہر طرف سے گھیر گھار کر تربیت کے راستے پر لانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن' پر طبیعت ادھر نہیں آتی' کا کیا جواب ہے۔

ایم ایم قاسمی ' وزیر آباد

اپنی تربیت کیسے کریں (نومبر۹۶) بہت پسند آیا۔ نومبر کے شمارے میں علامہ اقبالؒ پر کسی تحریر کا نہ ہونا بہت محسوس ہوا۔

افضل خان' کبل سوات

میں ایک طالب علم ہوں۔ پہلے ترجمان پڑھتا تھا تو بوریت محسوس کرتا تھا۔ گذشتہ چند شمارے غور سے پڑھے تو بہت دلچسپ محسوس ہوئے۔ اپنی تربیت کیسے کریں' بہت زبردست ہے۔ یقیناً یہ رسالہ طالب علموں کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔

عرفان جعفر ' لاہور

بیوی کا مرتبہ (نومبر۹۶) میں عبدالماجد دریا بادی کے مخصوص طرز تحریر میں ہمارے گھرانوں کے اہم مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ماضی کے علمی ورثے سے قارئین کو آگاہ کرنا' ترجمان کی بڑی خدمت ہے اور نوجوان نسل کی تربیت کا ذریعہ بھی ہے۔ اس سلسلے کو تواتر سے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ احساس بھی ہوا

کہ مسلمان معاشروں میں عورت کے کمتر مقام کا جو آج دشمنوں کا مرغوب ہدف ہے، دینی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی معاشرت انھیں خصوصی مقام دیتی ہے۔

صالحہ نعیم، حیدر آباد

شادی کے بعد علیحدہ گھر یا علیحدہ رہایش آپ نے دینی لحاظ سے ضروری بتایا ہے لیکن دینی گھرانوں میں ہی یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ دینی مزاج رکھنے والی لڑکیوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ اس طرح کا مطالبہ کریں، کریں تو ان کی دین پسندی مشکوک ہو جاتی ہے۔ اسے آزاد روی اور بزرگوں کے حقوق کی ادائیگی سے فرار تصور کیا جاتا ہے۔

عبدالجبار، پشاور

مشترک خاندان تہذیبی روایت ہے۔ اس کا دینی تقاضوں سے کوئی تصادم نہیں، بلکہ ممد ہوتا ہے۔ پھر اسے دینی مسئلہ کیوں بنایا جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن، کراچی

مشترک یا علیحدہ رہایش کے مسئلہ کو حالات اور سہولت کی بنیاد پر حل کیا جائے تو بہتر ہے۔ کسی ایک پر اصرار مسائل کو جنم دیتا ہے۔ کتنے ہی مشترک گھرانے شیروشکر ہو کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔ کتنے ہی علیحدہ گھر پر سکون زندگی گزارتے ہیں۔ علیحدگی کا حق تسلیم کرنا چاہیے اور خوش دلی سے اجازت دینا چاہیے۔

بنت فیضی، گوجرہ

ایک سال سے خریدار ہوں، جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔ سب کچھ اچھا لگتا ہے، خصوصاً "بندہ خدا" کی باتیں تربیت میں اہم کردار انجام دیتی ہیں۔

میاں غلام ربانی، شنکیاری

۲۱ ویں صدی کا منظر (اکتوبر ۹۶) بہت ہی پسند آیا اور میں نے اس کو بار بار پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ترجمان القرآن کی شان کو مزید جلا بخشے۔ (آمین)

محمد طاہر، دیر

قومی بحران کا اصل حل اور اختلاف امت: اسباب اور حل (اکتوبر ۹۶) میں جو کچھ کہا گیا ہے اس پر پچاس فیصد بھی عمل ہو تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ مگر محسوس ہوتا ہے کہ ہم خود بھی عمل نہیں کرتے ورنہ منزل قریب تر ہو جاتی۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

ترجمان: اکتوبر ۹۶ میں حکمت مودودیؒ "استیصال بدعات کا جوش" کے حوالے کے بارے میں متعدد قارئین نے استفسار کیا ہے۔ یہ جلد ۸، عدد ۳ سے لیا گیا تھا۔

ماءٍ واحدٍ

ایک ہی پانی

اور دیکھو!

زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں '

جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں -

انگور کے باغ ہیں 'کھیتیاں ہیں '

کھجور کے درخت ہیں 'جن میں کچھ اکہرے اور کچھ دوہرے -

سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے

مگر ہم مزے میں کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر -

ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ،

ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں -

(الرعد ۱۳ : ٤)

(خیر خواہ ۵۱)

بیرونِ ممالک ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے رابطہ پتے:

MAKTABA KULLIAH ALHINSAH
JAMIATUL MALAE ABDUL AZIZ
P.O.BOX 9027 JIDDAH
SAUDI ARABIA

SAIFULLAH SANAI
P.O.BOX 9178
DAMMAM 31413
SAUDI ARABIA

ADAAB BOOK SHOP
P.O.BOX 287
MANAMA
BAHRAIN

ANAYAT HUSSAIN GHAURI
P.O.BOX 382
ABU DHABI
UAE

MANZOOR ILAHI
P.O,BOX 621
DUBAI
UAE.

MR.MUHAMMAD SALAHUDDIN
DARUL SAUDIA JAUHARIA
AL BAGHDADIA BUILDING
P.O.BOX 2043
JEDDAH-21451

UMER ABDUL AZIZ
755-EAST 9 STREET#.B.6.
BROOKLYN
NEW YORK-11230(U.S.A)
✆ (781)421-5428

ISLAMIC BOOK CENTER
120,DRUMMOND ST.
LONDON N.W.I 2HL
UK.

UK ISLAMIC MISSION
121,OAKLAND ROAD HANWELL
LONDON W7 2DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
401-403,ALUM ROCK ROAD
BIRMINGHAM B-8 3DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
19- CARRINGTON STREET
GLASGOW G4 9AJ
UK.

UK ISLAMIC MISSION
1 TYDFIL PALACE
ROTH PARK CARDIFF
SOUTH WALES UK.

SYED SHAUKAT ALI
DEPT. OF COMMUNICATIONS
INTL.ISL.UNI. P.O.BOX 70
JALANJAN 46700-PJ SELANGER
MALAYSIA

RAFAY SAMAN
423,BARA MUGH BAZAR
ELEPHANT ROAD DHAKA
BANGLA DESH

دیگر ملکوں میں بھی خواہشمند رابطہ کریں:

مینیجر ترجمان القرآن، ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور 54600 فون 042-7587916

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک 'اچھرہ' لاہور سے شائع کیا



دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے انتہائی موثّر نباتاتی

ہمدرد پیلو
مسواک
ٹوتھ پیسٹ

اچھی صحت کا دار و مدار صحت مند دانتوں پر ہے۔ اگر دانت خراب ہوں یا عدم توجہی کے باعث گر جائیں تو انسان دُنیا کی بہت سی نعمتوں اور لذتوں سے لُطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ زمانۂ قدیم سے صحتِ دندان کے لیے انسان درختوں کی شاخیں بطور مسواک استعمال کرتا آیا ہے۔ ہمدرد نے تحقیق و تجربات کے بعد دارچینی، لونگ، الائچی اور صحتِ دہن کے لیے دیگر مفید نباتات کے اضافے کے ساتھ "مسواک ٹوتھ پیسٹ" تیار کیا ہے جو دانتوں کو صاف اور سفید رکھنے کے ساتھ مسوڑھوں کو بھی مضبوط، صحت مند اور محفوظ رکھتا ہے۔

سارے گھر کا ٹوتھ پیسٹ

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

مسواک کے قدرتی خواص صحتِ دنداں کی مضبوط اساس

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

Adarts-HMPT-22/95

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے کے لحاظ سے بدترین شخص وہ ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر دی۔

(ابن ماجہ)

REGD. NO. L 5340 PHONES : 7587916
7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE